رجسٹرڈ نمبر ۱۸۱ اے نومبر ۱۹۵۵ء

معارف

مجلس دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی
و
شاہ معین الدین احمد ندوی

قیمت چھ روپیہ سالانہ

دفتر دار المصنفین اعظم گڈھ

سلسلۂ تاریخ اسلام

دارالمصنفین کے سلسلۂ تاریخ اسلام کو بڑا حسن قبول حاصل ہوا، علمی و تعلیمی اداروں نے خصوصیت کیساتھ اس کی قدردانی کی، بعض یونیورسٹیوں نے اس کو اسلامی تاریخ کے نصاب میں داخل کر لیا، اس لئے چند برسوں کے اندر تقریباً اس کے سب حصے ختم ہوگئے جن کے دوسرے اڈیشن مزید اصلاح و ترمیم اور اضافوں کے ساتھ چھپ کر تیار ہوگئے ہیں، اور بعض زیر طباعت ہیں، اب یہ سلسلہ پہلے سے زیادہ جامع اور مکمل ہوگیا ہے۔

تاریخ اسلام حصہ اول

(عہد رسالت و خلافت راشدہ)

یعنی آغاز اسلام سے لے کر خلافت راشدہ کے اختتام تک اسلام کی مذہبی، سیاسی، تمدنی اور علمی تاریخ، ضخامت ۴۵۰ صفحے قیمت: [illegible]

تاریخ اسلام حصہ دوم

(بنو امیہ)

یعنی دولت امویہ کی صد سالہ سیاسی، تمدنی اور علمی تاریخ کی تفصیل،

ضخامت: ۳۴۳ صفحے

قیمت:

منیجر

تاریخ اسلام حصہ سوم

(بنی عباس اول)

یعنی ابوالعباس سفاح ۱۳۲ھ سے ابو اسحاق معتصم باللہ ۲۲۷ھ تک دو صدیوں کی سیاسی و تمدنی تاریخ،

قیمت [illegible]

تاریخ اسلام جلد چہارم

(بنی عباس دوم)

یعنی مستکفی باللہ کے عہد سے آخری خلیفہ مستعصم تک خلافت عباسیہ کے زوال و خاتمہ کی سیاسی تاریخ

ضخامت: ۴۳۲ صفحے

قیمت:

منیجر

جلد ۶۶ ماہ محرم الحرام سنہ ۱۳۷۰ھ مطابق ماہ نومبر سنہ ۱۹۵۰ء عدد ۵

مضامین

شذرات — شاہ معین الدین احمد ندوی — ۳۲۲-۳۲۴

مقالات

معجزۂ قرآنی کی نوعیت — مولانا عبد السلام ندوی — ۳۲۵-۳۳۶

مسلمانون کی حکومت مین غیر مسلم اقوام — مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی — ۳۳۷-۳۵۰

خدمتِ حدیث مین خواتین کا حصہ — حافظ مولوی مجیب اللہ صاحب ندوی رفیق دار المصنفین — ۳۵۱-۳۶۵

تاریخ یمن کا ایک ورق، — مولانا ابو الجلال ندوی — ۳۶۶-۳۸۸

باب التقریظ والانتقاد

نیا ادب — شاہ معین الدین احمد ندوی — ۳۸۹-۳۹۹

مطبوعات جدیدہ — "م" — ۴۰۰

شذرات

ہندوستان کے فرقہ پرستون کی تنگ دلی اور تنگ نظری اب اس درجہ کو پہنچ گئی ہے کہ وہ ہر اُس چیز کے دشمن بن گئے ہین جس کو مسلمانون کے ساتھ کسی قسم کی نسبت ہو، وہ اُن کی کسی یادگار کو دیکھنا گوارا نہین کرتے اور ہندوستان مین اُن کی ہزار سالہ تاریخ کا ایک ایک نشان مٹا دینا چاہتے ہین، جو ایک متمدن قوم کی شان سے فروتر ہے، اُس کا فرض تو یہ ہونا چاہئے کہ وہ علم و فن کی ہر متاع اور تہذیب و تمدن کے ہر نقش کو خواہ اُن کا تعلق کسی فرقہ یا قوم سے ہو باقی رکھکر اپنی تعمیر و ترقی مین اُس سے مدد لے، اور جدید ہندوستان اور ہندو مسلمانون کی مشترکہ قومیت کی تعمیر کے لئے تو یہ اور بھی زیادہ ضروری ہے،

اس بارہ مین ہم کو یورپ کی قومون سے سبق حاصل کرنا چاہئے، عیسائی دنیا مسلمانون کی پُرانی حریف ہے، ان دونون مین بڑے سخت مذہبی اختلافات اور سیاسی معرکے برپا رہ چکے ہین، مسلمانون نے اُن کے مذہبی مرکز بیت المقدس پر جو مسلمانون کا بھی مقدس شہر اور اُن کا قبلہ رہ چکا تھا، حضرت عمرؓ ہی کے زمانہ مین قبضہ کر لیا تھا، پھر ایک صدی کے اندر اُن کے سارے مشرقی مقبوضات چھین لئے، اور خود یورپ کے ملکون مین اسپین، سسلی، یونان، قسطنطنیہ، بلقانی ریاستون بحر روم کے بڑے بڑے جزیرون، اور فرانس، پرتگال اور اٹلی کے بعض حصون پر قبضہ کر لیا، اور صدیون یہان کے حکمران رہے، دونون مین مدتون جنگ صلیبی کا خونریز سلسلہ جاری رہا جس مین سارا یورپ مسلمانون کے خلاف صف آرا تھا، غرض مذہبی و سیاسی دونون حیثیتون سے مخالفت اور دشمنی کا کوئی دقیقہ باقی نہین رہا،

لیکن مسلمانون نے اپنے دورِ حکومت مین اپنے تمام مقبوضہ ملکون کو تہذیب تمدن کے زیور سے آراستہ اور

علم و فن کی روشنی سے منور کیا تھا یورپین قومیں اپنے دورِ جہالت تک تو اُن کی دشمنی پر قائم رہیں لیکن علم کی روشنی پھیلنے کے بعد جب اُن کی آنکھوں سے تعصب کا پردہ ہٹا اور اُن کو مشرقی دنیا اور خود اپنے ملکوں میں مسلمانوں کے علمی تمدنی اور اخلاقی کارنامے نظر آئے تو انھوں نے اُس کا پورا اعتراف اور احساس شناسی کا حق ادا کیا گو استعماری اغراض کی بنا پر ان کا ایک طبقہ مسلمانوں کے خلاف زہر بھی اگلتا رہا لیکن اُس کے مقابلہ میں مسلمانوں کے مداحوں اور حامیوں کی جماعت ہر دور میں زیادہ رہی اور یورپ کے ہر ملک کے علما و محققین نے مسلمانوں کے علمی تمدنی اور اخلاقی کارناموں پر سیکڑوں کتابیں لکھیں، چنانچہ آج یورپ کی کوئی علمی اور بڑی زبان اس قسم کی تصانیف سے خالی نہیں ہے اس کے ساتھ انھوں نے اسلامی علوم و فنون کو زندہ کیا اور عربی و فارسی کی ہر فن کی سیکڑوں نادر و نایاب کتابوں کو تلاش کرکے بڑی محنت و قابلیت سے تصحیح و تحشیہ کے ساتھ شائع کیا، اور اپنی اپنی زبانوں میں بہت سی اہم کتابوں کے ترجمے کئے اور آج مسلمانوں کے قدیم علمی ذخیرہ کا بڑا حصہ انھی کے بدولت زندہ ہے اس کے علاوہ طب، طبعیات، نباتات، حساب، ہندسہ، ہیئت و جغرافیہ وغیرہ کی مسلمان مصنفین کی کتابیں اور ان کے لاطینی ترجمے کئی صدیوں تک یورپ کی یونیورسٹیوں کے نصاب میں داخل رہے، یورپ کے قرونِ مظلمہ میں ان کے ہاتھوں مسلمانوں کے جو آثار مٹ چکے تھے وہ مٹ چکے تھے لیکن جو باقی رہ گئے تھے، اُن کی حفاظت کا پورا انتظام کیا جس کا مشاہدہ آج بھی اسپین میں کیا جا سکتا ہے غرض یورپین قوموں نے علم و روشنی کے دور میں مذہبی و سیاسی اختلاف کی بنا پر مسلمانوں کے آثار کو مٹایا نہیں بلکہ اُن کو زندہ رکھکر اُن سے فائدہ اٹھایا، ورنہ وہ آج تک جہالت کی تاریکی میں بھٹکتی رہتیں، یا کم از کم ترقی کی منزلیں اتنی جلد طے نہ کرتیں،

اس کے مقابلہ میں ہندو مسلمانوں میں ہمیشہ اتحاد و یگانگت کا تعلق رہا، گو مسلمان ہندوستان کے حاکم تھے لیکن وہ اجنبی حکمرانوں کی طرح نہیں رہے بلکہ انھوں نے ہندوستان کو اپنا وطن بنا لیا، اور یہیں شادی بیاہ کرکے رہ بس گئے، یہاں کی بہتیری رسمیں تک اختیار کر لیں، اور مسلمانوں اور یورپین قوموں کے مقابلہ میں ہندو مسلمان مختلف حیثیتوں سے ایک دوسرے سے زیادہ قریب ہیں، دونوں مشرقی ہیں، ہندوستانی مسلمانوں کی بڑی تعداد نسلاً بھی ایک ہے، آئین

بہت سے تہذیبی اور کلچرل پہلو مشترک ہیں، ہندوستان کی ترقی میں دونوں کا حصہ ہے، چنانچہ اسلامی ہند کے بہت سے علمی و تمدنی
کارنامے دونوں کے مشترکہ ہیں، لیکن اس کے باوجود بعض اہل جرم ہیں کہ وہ اسلامی دور کی یادگار ہیں، فرقہ پرست انکو
برداشت نہیں کرسکتے، اور ان کا نام و نشان مٹا کر ہندوستان کی تاریخ سے اسلامی عہد کا باب ہی خارج کر دینا چاہتے ہیں، جو
ایک مہذب اور تعلیم یافتہ قوم کی شان سے بعید ہے، ان یادگاروں کو نہ صرف زندہ رکھنا چاہئے بلکہ ان کے جو نقش دھندلے
ہوگئے ہوں، انکو اجاگر کرنا چاہئے کہ درحقیقت وہ دونوں کے مشترک کارنامے دونوں کے لئے باعث فخر اور ہندوستان
کی تمدنی عظمت کا نشان ہیں، ع: یہ ٹوٹے آئینے ہیں زیب و زینت ان کی محفل کے
اس لئے ان کا جو نقش بھی مٹے گا اس سے تنہا اسلامی عہد کا نہیں بلکہ ہندوستان کی عظمت کا ایک نشان مٹ جائے گا،

گرچہ مثل غنچہ دلگیریم ما گلستان میرد اگر میریم ما

ان حالات میں یہ سن کر حیرت کے ساتھ مسرت ہوئی کہ نولکشور پریس نے جس نے اسلامی علوم و فنون اور عربی
فارسی اور اردو زبان کی بڑی گرانقدر خدمت انجام دی ہے، اپنی پرانی روایات و خصوصیات کو قائم رکھنے کا فیصلہ کیا ہے،
اور اس مطبع سے حسب دستور تینوں زبانوں کی کتابوں کی طبع و اشاعت کا سلسلہ جاری رہے گا، فرقہ پرستی کے اس دور
میں یہ فیصلہ قابل ستائش اور نمونہ قابل تقلید ہے، درحقیقت علم و فن کی خدمت کو مذہب و فرقہ کی قید سے بلند رکھنا چاہئے ورنہ ساری
ترقیاں مسدود ہو جائیں گی، اگر مطبع کے کارکن اودھ اخبار کو بھی دوبارہ جاری کر دیتے تو ایک پرانی یادگار زندہ ہو جاتی،
مسلمانوں میں زبانی تو اردو زبان کی محبت کا بڑا دعویٰ ہے اور ہندوستان میں اس کے زوال کا بڑا ماتم ہے لیکن اسکی
جانب سے ان کی غفلت و بے توجہی کا حال یہ ہے کہ وہ اردو کے اہم اور ضروری اخباروں اور رسالوں کو بھی زندہ نہیں
رکھ سکتے، یہ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ صدق جیسا اہم اور مفید اخبار جس کی قیمت بھی بہت کم ہے، مالی دشواریوں
کی بنا پر چند دنوں سے بند ہوگیا تھا، اس کے فاضل اڈیٹر مولانا عبدالماجد صاحب مدظلہ نے دوبارہ اس کو جاری
کرنے کا ارادہ کیا ہے، اور آئندہ مہینہ سے وہ نکلنے لگے گا، اگر مسلمانوں میں کچھ بھی احساس باقی ہے تو ان کو صدق کا خریدار
بن کر اس کی زندگی کا سامان فراہم کرنا چاہئے،

مقالات

معجزۂ قرآنی کی نوعیت

از

مولانا عبد السلام ندوی

(۲)

گذشتہ نمبر مین معجزۂ قرآنی کی جو خصوصیات بیان کی گئین اُن سے ثابت ہوگیا کہ وہ کوئی دنیوی احسان یا مادی طاقت نہین ہے، بلکہ خالص روحانی طاقت ہے، جو جن وانس دونون کو نیک کامون کے کرنے پر آمادہ کرتی ہے، اب اس نمبر مین یہ دکھانا مقصود ہے کہ یہ روحانی طاقت کوئی وقتی چیز نہین تھی، بلکہ ایک ابدی دولت ہے جو مسلمانون کے دینی خزانے مین ہمیشہ محفوظ رہیگی اور ان پر قیامت تک اپنا اثر ڈالتی رہیگی کیونکہ

معجزات کی دو قسمین ہین حسی اور عقلی، حسی معجزات کا اثر محدود ہوتا ہے، کیونکہ وہ آنکھون سے دیکھے جاتے ہین، اس لئے جو لوگ اُن کو دیکھتے ہین، صرف انہی پر ان کا اثر پڑتا ہے، اور جب انکا زمانہ ختم ہو جاتا ہے، تو یہ معجزات بھی ختم ہو جاتے ہین، اور ان کا اثر بھی زائل ہو جاتا ہے، لیکن عقلی معجزات کی حالت اُن سے مختلف ہوتی ہے، وہ دل کی آنکھون سے دیکھے جاتے ہین، اس لئے جب تک دنیا مین صاحب عقل و صاحب بصیرت لوگ موجود ہین، اُن کا معجزانہ اثر باقی رہتا ہے اور وہ ہر زمانہ مین پیغمبر کی صداقت

کی شہادت دیتے ہیں، انبیائے بنی اسرائیل کے اکثر معجزے حسی ہوتے تھے جن کا اثر اُن کے زمانہ تک محدود تھا، اور اب ان معجزات کا نہ وجود ہے، اور نہ اُن کا اثر باقی ہے، اب عصائے موسیٰ، لحن داؤد، دم عیسیٰ اور ناقۂ صالح کا نہ وجود ہے، اور نہ ان کے دیکھنے والے موجود ہیں، اس کے علاوہ اس قسم کے معجزے ان انبیاء کے لئے موزون ہوتے ہیں، جن کی شریعت خود دائمی اور ابدی نہیں ہوتی، بلکہ اس کا تعلق ایک محدود زمانے کے ساتھ ہوتا ہے، اس لئے جو پیغمبر اس قسم کی محدود الوقت شریعت کو لے کر آتے ہیں، اُن کو اسی قسم کے محدود الوقت معجزے بھی عطا کئے جاتے ہیں،

لیکن اسلام ایک ابدی مذہب تھا، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید کی صورت میں ایک عقلی معجزہ عطا کیا گیا، جو اب تک موجود ہے، اور ہر صاحب عقل و بصیرت کو اسلام کی دعوت دیتا ہے، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

ما من الانبیاء نبی الا اعطی من	ہر پیغمبر کو ایسے معجزات دیئے گئے جن
الآیات ما مثله آمن علیه	پر لوگ ایمان لائے لیکن مجھ کو جو
البشر وانما کان الذی اوتیته	معجزہ دیا گیا وہ وحی ہے، اس لئے
وحیا اوحاہ اللہ الی فارجو ان اکون	مجھے توقع ہے کہ قیامت کے دن
اکثرہم تابعا یوم القیامة،	میرے پیرو اور پیغمبروں سے زیادہ
(صحیح بخاری کتاب فضائل القرآن	ہوں گے،
باب کیف نزل الوحی واول ما نزل)	

اس حدیث کی شرح میں حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ اور انبیاء کے معجزے ان کے زمانہ کے ساتھ ختم ہوگئے، اور ان کو انہی لوگوں نے دیکھا جو اس وقت موجود تھے لیکن قرآن مجید کا معجزہ قیامت تک موجود رہے گا، اور اسلوب بیان، بلاغت، اور غیبی خبروں کے دینے کی وجہ سے اس کی

معجزانہ حیثیت قائم رہے گی، اس لئے کوئی زمانہ ایسا نہیں آئے گا جس مین کوئی واقعہ جس کے ہونے کی خبر قرآن مجید نے دی ہے ظاہر نہ ہو، اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوائے نبوت کی صحت کی دلیل نہ ہو، اس حدیث کے ایک معنی یہ بھی ہو سکتے ہین کہ گذشتہ پیغمبرون کے معجزات حسی ہوتے تھے، جو آنکھون سے دیکھے جاتے تھے، جیسے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا لیکن قرآن مجید کا معجزہ چشم بصیرت سے نظر آتا ہے، اس لئے آپکے پیرو اور پیغمبرون سے زیادہ ہون گے، کیونکہ جو معجزہ آنکھ سے دیکھا جاتا ہے، وہ دیکھنے والون کے فنا ہونے کے ساتھ ہی فنا ہوجاتا ہے، اور جو معجزہ عقل کی آنکھ سے دیکھا جاتا ہے، وہ باقی رہتا ہے، اور یکے بادیگرے اس کو لوگ ہمیشہ دیکھتے رہتے ہین،

یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید ہمیشہ غور و فکر کی دعوت دیتا ہے،

افلا یتدبرون القرآن	تو کیا پھر لوگ قرآن مین غور نہین
(نساء - ۱۱)	کرتے،

اور یہی وجہ ہے کہ دور نبوت مین جو لوگ صاحب فہم و بصیرت تھے، قرآن مجید کا اثر ان پر سب سے زیادہ پڑتا تھا، اوپر گذر چکا ہے کہ حضرت جبیر بن مطعمؓ نے جب سورہ طور کی یہ آیتین اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَیْرِ شَیْئٍ سنین تو اُن کا دل اُڑنے لگا، لیکن یہ اثر صرف اُن کے فہم و بصیرت کا نتیجہ تھا، چنانچہ حافظ ابن حجر اس حدیث کی شرح مین لکھتے ہین،

قال الخطابی کانہ	خطابی کہتے ہین کہ چونکہ وہ اس آیت
انزعج عند سماع ھذہ	کے معنی اور مفہوم کو سمجھ گئے، اس لئے
الآیۃ لفھمہ معناھا و	اس کو سُن کر بیساختہ متأثر ہو گئے،
معرفتہ بما تضمنتہ لفھم الحجۃ	غرض انھون نے اس دلیل کو سمجھ لیا

فاستدرکھا بلطیف طبعہ اور اپنی طبیعت کی لطافت کی وجہ سے اس کو پا گئے،

حضرت انیسؓ خود شاعر تھے، وہ مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے اور واپس جا کر اپنے بھائی حضرت ابوذر غفاریؓ کو اس کی اطلاع دی، تو انھوں نے پوچھا کہ لوگ آپ کے بارے میں کیا کہتے ہیں"؟ انھوں نے جواب دیا، کہ لوگ آپ کو شاعر، کاہن اور جادوگر کہتے ہیں"؟ لیکن میں نے کاہنوں کی باتیں سُنی ہیں، لیکن محمد جو کچھ کہتے ہیں وہ کاہنوں کی بولی نہیں، میں نے اُن کی باتوں کو اوزان واصناف شعر کے مقابلہ میں رکھا تو وہ شعر بھی نہیں، خدا کی قسم آپ سچے اور لوگ جھوٹے ہیں[1]

اس قسم کے اور بھی متعدد واقعات احادیث وسیر کی کتابوں میں مذکور ہیں، جن کو ہم بخوف طوالت قلم انداز کرتے ہیں،

اس تفصیل سے معلوم ہوا ہوگا کہ قرآن مجید کو گذشتہ انبیاء کے مادی معجزات پر ہر حیثیت سے تفوق اور فضیلت حاصل ہے، لیکن اس موقع پر سب سے زیادہ اہم سوال یہ ہے کہ قرآن مجید کے مقابلہ میں تورات وانجیل کا کیا درجہ ہے؟ ہمارے علماء نے چونکہ قرآن مجید کو فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے معجزہ مانا ہے اور تورات وانجیل میں یہ فصاحت و بلاغت موجود نہیں ہے، اس لئے وہ ان دونوں کتابوں کو معجزہ تسلیم نہیں کرتے، چنانچہ تمہید ابو شکور سالمی میں جہاں اعجاز قرآنی پر بحث کی ہے، لکھا ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ قرآن مجید صرف اپنے الفاظ کی وجہ سے معجزہ ہے، اور بعض لوگ اس کو معنی کی بنا پر معجزہ کہتے ہیں لیکن صحیح ترین قول یہ ہے کہ وہ لفظ و معنی دونوں حیثیتوں سے معجزہ ہے، کیونکہ اگر ہم اسکو صرف معنی کی وجہ سے معجزہ تسلیم کریں تو اس سے گذشتہ انبیاء کی کتابوں کو بھی معجزہ تسلیم کرنا پڑے گا؛ اور یہ صحیح نہیں ہے، اور اگر صرف لفظ کی وجہ سے معجزہ تسلیم کریں تو ایسی حالت میں اگر الفاظ معنی سے

---

[1] صحیح مسلم کتاب الفضائل باب اسلام ابی ذرؓ

خالی ہوں، تو وہ ایک لغو کلام ٹھہرے گا اور یہ محال ہے،

اس سے ثابت ہوا کہ قرآن مجید لفظاً اور معنی دونوں حیثیتوں سے معجزہ ہے، آگے چل کر ایک خاص عنوان یہ قائم کیا ہے کہ گذشتہ کتابیں معجزہ تھیں یا نہیں ؟ اور اس عنوان کے تحت میں لکھا ہے کہ گذشتہ کتابیں اس معنی میں معجزہ تھیں کہ وہ خدا کا کلام ہیں، اور قرآن مجید بھی خدا کا کلام ہے، تو جب اس حیثیت سے قرآن مجید معجزہ ہے، تو اور کتابیں اور صحیفے بھی لازمی طور پر معجزہ قرار پائیں گے، لیکن صحیح یہ ہے کہ تمام گذشتہ کتابیں اور صحیفے بھی اگرچہ خدا ہی کا کلام تھے لیکن وہ معجزہ نہیں تھے، کیونکہ خود خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ لوگ ان کتابوں اور صحیفوں میں تحریف کیا کرتے تھے لیکن اگر وہ معجزہ ہوتیں، تو اُن میں تحریف نہیں کی جا سکتی تھی، اور تمام کتابیں خدا کا کلام تو ضرور ہیں لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ ایک چیز ایک زمانہ میں اور ایک شخص کے لئے تو معجزہ ہو لیکن دوسرے زمانہ اور دوسرے شخص کے لئے معجزہ نہ ہو، مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا ان کے ہاتھ اور اُن کے زمانہ میں تو معجزہ تھا لیکن اُن کے زمانہ کے بعد معجزہ نہیں رہا، یہی حالت اُن کی کتابوں کی بھی ہے[1]،

قاضی ابو بکر باقلانی اعجاز القرآن میں لکھتے ہیں" اگر یہ کہا جائے کہ قرآن مجید کے علاوہ کیا خداوند تعالیٰ کا دوسرا کلام مثلاً توراۃ انجیل اور صحیفے بھی تمہارے نزدیک معجزے ہیں ؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ ان میں جو غیبی خبریں ہیں، ان کے لحاظ سے وہ بھی قرآن مجید کی طرح معجزے ہیں لیکن نظم و تالیف کے لحاظ سے ان میں کوئی کتاب معجزہ نہیں، کیونکہ خداوند تعالیٰ نے ان میں کسی کتاب کے وہ اوصاف نہیں بیان کئے، جو قرآن مجید کے بیان کئے ہیں، نیز یہ کہ اُن کے متعلق تحدی نہیں کی گئی ہے جیسا کہ قرآن مجید کے متعلق کی گئی ہے، اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ان کتابوں کی زبان میں فصاحت کے ایسے وجوہ نہیں پائے جاتے، جن کی وجہ سے کلام میں مقابلۃً ایسے محاسن پیدا ہو جائیں، جو علیٰ غایتہا

---

[1] تمہید ابو شکور سالمی ص۲۶، ۲۷،

تک پہنچ جائیں، ان زبانوں میں جو کلام موجود ہے، وہ تقریباً یکسان ہے، ہمارے اصحاب تمام زبانون کا یہی خصوصیت بیان کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ان میں باہم وہ فرق و امتیاز نہیں پیدا ہو سکتا جو عجیب وغریب طریقہ پر ایک کو دوسرے پر ترجیح دیدے، اس کو یون بیان کیا جا سکتا ہے کہ جہان تک ہم کو ان زبانون کا علم ہے ان میں ایک چیز کے اس قدر متعدد نام نہیں پائے جاتے، جس قدر عربی زبان میں پائے جاتے ہیں (یعنی ان میں مترادف الفاظ موجود نہیں) اس طرح ان میں ایک لفظ بہت سے معانی پر دلالت نہیں کرتا، جس طرح عربی زبان میں ایک ہی لفظ بہت سے معانی پر دلالت کرتا ہے (یعنی ان زبانون میں مشترک الفاظ موجود نہیں) استعارات، اشارات اور استعمالات کے نادر طریقے بھی ان زبانون میں نہیں پائے جاتے،

اس کی دلیل یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے قرآن مجید کا یہ وصف بیان کیا ہے کہ وہ عربی مبین کی زبان میں ہے، اس کی یہ خصوصیت بہت سے مقامات میں بیان کی ہے، اور یہ ظاہر کیا ہے کہ قرآن مجید کا درجہ اس سے بلند ہے، کہ اس کو عجمی زبان میں نازل کیا جائے، اس لئے اگر اہل عجم کی زبان میں اسی قسم کی فصاحت پیدا ہو سکتی، تو خداوند تعالیٰ قرآن مجید کو اس سے بالاتر نہ سمجھتا اگرچہ عربی زبان میں قرآن مجید کے نازل کرنے کا ایک فائدہ یہ بھی تھا کہ اہل عرب اس کو خود سمجھ سکیں، اور اس کی تفسیر میں دوسرون کے محتاج نہ ہون، تاہم ہم نے جو فائدہ بیان کیا ہے وہ بھی ممکن ہے،

بہت سے مسلمان جو عربی زبان کے ساتھ ان زبانون کے بھی ماہر ہیں، اُن کے نزدیک ان زبانون میں وہ فرق و امتیاز اور وہ فصاحت نہیں پائی جاتی جو عربی زبان میں پائی جاتی ہے، اس کے علاوہ وہ نہ تو خود توراۃ و انجیل کے ماننے والے اور نہ خود مسلمان ان کتابون کے معجز ہونے کا دعویٰ کرتے، اس سے معلوم ہوا کہ اعجاز قرآن مجید کے ساتھ مخصوص ہے[1]

یہی وجہ ہے کہ گذشتہ قومون کے جو واقعات قرآن مجید مین مذکور ہین، وہ بالمعنی بیان کئے گئے ہین یعنی خداوند تعالی نے اُن کے معانی کو عربی زبان مین بیان کر دیا ہے، کیونکہ عجمی زبانون مین یہ فصاحت نہین پیدا ہو سکتی تھی،[1]

لیکن خداوند تعالی نے فصاحت و بلاغت کو کہین قرآن مجید کا وصف نہین قرار دیا ہے بلکہ اس کے یہ اوصاف بتائے ہین،

هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ، (بقرہ ۔ ۱۲)	وہ رہنمائی کرتا ہے اور خوشخبری سناتا ہے، ایمان والون کو،
يَاۤ اَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا، (نساء ۔ ۲۴)	اے لوگو! یقیناً تمھارے پاس تمھارے پروردگار کی طرف سے ایک دلیل آچکی ہے، اور ہم نے تمھارے پاس ایک صاف نور بھیجا ہے،
فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ، (الانعام ۔ ۲۰)	سو اب تمھارے پاس تمھارے رب کے پاس سے ایک کتاب واضح اور رہنمائی کا ذریعہ اور رحمت آچکی ہے،

اور قرآن مجید مین بعینہٖ یہی اور اسی قسم کے دوسرے اوصاف توراۃ و انجیل کے بھی بیان کئے گئے ہین، مثلاً:۔

وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ، (آل عمران ۔ ۱)	اور اسی طرح بھیجا تھا توریت و انجیل کو اسکے قبل کے لوگون کی ہدایت کے واسطے

---

[1] اتقان جلد دوم صفحہ ۱۳۵،

اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّ نُوْرٌ۔ (مائدہ ۷۔)

ہم نے توراۃ نازل فرمائی تھی جس میں ہدایت تھی اور وضوح تھا،

وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ (مائدہ ۷۔)

اور ہم نے اُن کے پیچھے عیسیٰ بن مریم کو اس حالت میں بھیجا کہ وہ اپنے سے قبل کی کتاب یعنی تورات کی تصدیق فرماتے تھے، اور ہم نے اُن کو انجیل دی تھی جن میں ہدایت تھی اور وضوح تھا، اور وہ اپنے سے قبل کی کتاب یعنی توریت کی تصدیق کرتی تھی اور وہ سراسر ہدایت اور نصیحت تھی خدا سے ڈرنے والوں کے لئے۔

قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى (الانعام ۔ ۱۱)

آپ کہو کہ وہ کتاب کس نے نازل کی ہے جس کو موسیٰ لائے تھے جس کی کیفیت یہ ہے کہ وہ نور ہے اور لوگوں کے لئے ہدایت ہے،

ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً، (الانعام ۔ ۲۰)

پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی جس سے اچھی طرح عمل کرنے والوں پر نعمت پوری ہو، اور سب احکام کی تفصیل ہو جائے، اور رہنمائی ہو اور رحمت ہو،

وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً (هود ۔ ۲)

اور ایک اس سے پہلے (یعنی) موسیٰ علیہ السلام کی کتاب ہے جو کہ (احکام بتلانے کے اعتبار سے)

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ مِنْ بَعْدِ مَا أَهْلَكْنَا الْقُرُونَ الْأُولَى بَصَائِرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَرَحْمَةً لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ (قصص - ۵)

اور ہم نے موسیٰ کو اگلی امتون کے ہلاک کئے پیچھے کتاب دی تھی، جو لوگون کے لئے دانشمندی کا سبب اور ہدایت اور رحمت تھی تاکہ وہ نصیحت حاصل کرین،

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْهُدَى وَأَوْرَثْنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ الْكِتَابَ هُدًى وَذِكْرَى لِأُولِي الْأَلْبَابِ (مؤمن)

اور ہم موسیٰ کو ہدایت نامہ دیکچے ہین، اور ہم نے وہ کتاب بنو اسرائیل کو پہنچائی تھی کہ وہ ہدایت اور نصیحت تھی اہل عقل کے لئے،

غرض قرآن مجید کے جس قدر اوصاف قرآن مجید مین مذکور ہین، بعینہ وہی اوصاف توراۃ و انجیل کے بھی مذکور ہین، اس لئے اگر ان اوصاف کی بنا پر جیسا کہ آگے تفصیل کے ساتھ آئے گا، قرآن مجید کو معجزہ تسلیم کیا جائے تو توراۃ و انجیل کو بھی معجزہ تسلیم کرنا پڑے گا، اور بعض محققین نے اس حیثیت سے ان کو معجزہ تسلیم بھی کیا ہے، چنانچہ علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہین کہ اگر یہ فرض کیا جائے کہ توراۃ یا انجیل یا زبور اس لئے معجزہ ہین کہ ان مین علوم غیبی خبرین اور امر و نہی وغیرہ موجود ہین، تو اس سے اختلاف کرنے کی کوئی وجہ نہین بلکہ یہ ان پیغمبرون کی نبوت کی اور اس پیغمبر کی نبوت کی جس کی نبوت کی انھون نے خبر دی ہو، دلیل ہے، لیکن جو لوگ یہ کہتے ہین کہ یہ کتابین معجزہ نہین ہین، اگر ان کا مقصد یہ ہے کہ وہ قرآن کی طرح لفظ و نظم کی وجہ سے معجزہ نہین ہین، تو یہ ممکن ہے اور اس کا تعلق عبرانی زبان کے جاننے والون سے ہے، لیکن معانی یعنی غیبی خبرون اور امر و نہی کی وجہ سے توراۃ کے معجزہ ہونے مین کوئی شک نہین ہے، اور انبیاء کی کتابون کے معجزہ ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ ان مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی آپ کی بعثت سے بہت پہلے خبر دیگئی ہے، اور بغیر خداوند تعالیٰ کی اطلاع دینے کے اس کا علم نہین ہو سکتا،[۱]

ایک دوسرے موقع پر لکھتے ہیں کہ

"قرآن مجید کے معانی میں اُس کے الفاظ سے زیادہ اعجاز ہے، اور توراۃ وانجیل میں جو معانی ہیں، اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ وہ قرآن مجید کے مثل ہیں، تو اُس سے مقصد میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا، کیونکہ وہ بھی خداوند تعالیٰ کی کتاب ہیں، اور اگر ایک پیغمبر دوسرے پیغمبر کے معجزہ کے مثل کوئی معجزہ لائے تو یہ ناممکن نہیں ہے[1]"

توراۃ وانجیل کے ساتھ قرآن مجید کی طرح بے شبہہ تحدی نہیں کی گئی، لیکن معجزات کے لئے تحدی کوئی ضروری چیز نہیں ہے، چنانچہ علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ "دلائل نبوت کے لئے یہ شرط لازمی نہیں ہے کہ وہ دعوی نبوت کے ساتھ ساتھ ہوں، اُن کو بطور حجت کے پیش کیا جائے، ان کے مثل لانے کی تحدی کیجائے، اور اس پر مخالفین کو آمادہ کیا جائے، اس قسم کی باتیں بعض معجزات کے ساتھ تو ضرور پیش آتی ہیں لیکن یہ ضروری نہیں کہ جن معجزات کے ساتھ یہ باتیں پیش نہ آئیں، وہ معجزہ ہی نہ ہوں، بلکہ اس سے انبیاء کے اکثر معجزات باطل ہوجائیں گے، کیونکہ اُن میں یہ شرط موجود نہیں ہے، اور یہ ایک ایسی شرط ہے جس کی کوئی دلیل نہیں ہے، کیونکہ دلیل کے معنی یہ ہیں کہ اس کے ساتھ مدلول علیہ کا وجود لازمی طور پر پایا جائے، اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے، جب کوئی مساوی یا راجح دلیل اُس کی معارض نہ ہو، لیکن اگر کوئی دلیل ایسی موجود ہے جس کی معارض کوئی مساوی اور راجح دلیل نہیں ہے، تو اس کو دلیل ماننا پڑے گا، چاہے مستدل یہ کہے کہ اُس کے مثل پیش کرو "تم لوگ اُس کے مثل پیش کرنے کی قدرت نہیں رکھتے" یا نہ کہے، کیونکہ جب وہ دلیل فی نفسہ ایسی ہو جس کے مثل لانے پر لوگ قادر نہیں ہیں، تو مستدل کا یہ کہنا، اور نہ کہنا برابر ہے، نہ اس کے کہنے سے وہ دلیل بن سکتی، اور نہ اُس کے نہ کہنے سے اس کی دلالت باطل ہوتی، دلیل بہرحال دلیل ہے خواہ

---

[1] الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح جلد ۴ ص ۷۷

مستدل اس کے ساتھ استدلال کرے یا نہ کرے، جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ نبوت کی دلیل اس وقت تک دلیل نہیں ہو سکتی جب تک دعویٰ نبوت کے ساتھ پیغمبر اس کے ساتھ استدلال نہ کرے یعنی جو لوگ دعویٰ نبوت، پیغمبر کے استدلال اور معارضہ کے مطالبہ سب کو دلیل کا جزو قرار دیتے ہیں، وہ سخت غلطی پر ہیں، بلکہ ان باتوں سے سکوت اختیار کرنا بہتر ہے، اور ان باتوں سے دلیل میں کوئی قوت نہیں پیدا ہوتی۔ خداوند تعالیٰ نے

فلیاتوا بحدیث مثلہٖ، تو وہ لوگ بھی اس کے مثل ایسی ہی ایک بات بھی لائیں،

اس وقت کہا جب کفار نے یہ دعویٰ کیا کہ قرآن مجید ایک بنائی ہوئی کتاب ہے، لیکن اس قول کو دلیل کی شرط قرار نہیں دیا، بلکہ جب وہ اس کے معارضہ سے عاجز ہو گئے، تو اس سے یہ دلیل مکمل ہو گئی،[1]

دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عام معجزات کے ساتھ تحدی نہیں کی گئی، آپ نے قرآن مجید کے ساتھ بھی ابتداءً تحدی نہیں کی، بلکہ اس وقت تحدی کی جب کفار نے کہا کہ یہ ایک جعلی کتاب ہے"[2]

اس بنا پر اگر توراۃ و انجیل کے ساتھ تحدی نہیں کی گئی تو اس سے اُن کے معجزہ ہونے میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا، لیکن اگر تحدی ضروری سمجھی جائے، تو گو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے توراۃ کے ساتھ تحدی نہیں کی تاہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کے ساتھ توراۃ کو بھی تحدی میں شامل کر لیا ہے،

---

[1] کتاب النبوت ص ۱۴۴ [2] ایضاً ص ۱۹۶،

قُلْ فَأْتُوا بِكِتَابٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ أَهْدَىٰ مِنْهُمَا (قصص - ۵)

آپ کہدیجئے کہ اچھا تو تم کوئی اور کتاب اللہ کے پاس سے لاؤ جو ہدایت کرنے میں ان دونوں (توراۃ و قرآن) سے بہتر ہو

بہرحال قرآن مجید کی طرح توراۃ و انجیل بھی معجزہ ہیں، البتہ باوجود اس اشتراک کے اسلام کی تکمیل شان یہاں بھی موجود ہے، توراۃ و انجیل صرف معنی کے اعتبار سے معجزہ ہیں لیکن قرآن مجید لفظی و معنوی دونوں حیثیتوں سے معجزہ ہے، بلکہ معنوی حیثیت سے بھی اس کو توراۃ و انجیل پر تفوق حاصل ہے، چنانچہ علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ

"توراۃ و انجیل میں جو معنی ہیں، وہ حقیقت، کیفیت، اور کمیت کسی حیثیت سے بھی قرآن مجید کے معانی کے مثل نہیں ہیں، بلکہ جس شخص نے قرآن مجید اور ان کتابوں میں غور کیا ہے، اس کو دونوں میں فرق نظر آئے گا، اور اہلِ علم و معرفت میں جس کو یہ باتیں معلوم ہو جائیں گی، اس پر اس حیثیت سے اس کا اعجاز ظاہر ہو جائے گا، لیکن جس شخص کو یہ باتیں معلوم نہ ہو سکیں، اس کے لئے صرف ظاہری باتیں کافی ہیں، مثلاً یہ کہ باوجود تحدی کے تمام دنیا اس کا جواب لانے سے عاجز تھی، کیونکہ یہ بات ہر شخص پر ظاہر ہے نبوت کے دلائل بھی ربوبیت کے دلائل کی طرح بعض تو بالکل ظاہر ہوتے ہیں، مثلاً حیوانات، نباتات اور بادل وغیرہ کی پیدائش کی یہ چیزیں ہر شخص کو علانیہ نظر آتی ہیں، اور بعض اہلِ علم کے ساتھ مخصوص ہوتی ہیں، مثلاً علمِ تشریح کی باریک باتیں ستاروں کی مقدار، اور ان کی حرکات وغیرہ کہ ان سے صرف اہلِ علم واقف ہو سکتے ہیں[۱]۔

غرض قرآن مجید عالم و جاہل دونوں کے لئے یکساں طور پر معجزہ ہے، صرف

بزنگ اصحاب صورت را بہ بو ارباب معنی را

---

[۱] الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح جلد ۴، ص ۷۵،

مسلمانوں کی حکومت میں غیر مسلم اقوام[1]

از مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی

(سلسلہ کے لیے ملاحظہ ہو معارف جون ۳۰ء)

اپنی مشہور عام متداول کتاب احیاء العلوم میں مفید و مضر علوم کی تفصیل کرتے ہوئے حجۃ الاسلام امام غزالی نے جو یہ اطلاع دی ہے کہ

"مسلمانوں کا کوئی شہر ہو یا آبادی، ہر ایک میں دیکھا جا رہا ہے کہ طبابت کا کام غیر مسلم اقوام کے افراد انجام دے رہے ہیں" (احیاء العلوم ج ۱ ص ۱۱)

یہ تو ایک اجمالی شہادت، لیکن ہم جب یہ سوچتے ہیں کہ غزالی کی عمر کا بڑا حصہ سیر و سیاحت میں بسر ہوا، خراسان و ایران تو ان کا وطن ہی تھا، اس کے سوا عراق و شام و مصر میں وہ مدتوں گھومتے رہے ہیں، تو یہی سمجھا جا سکتا ہے کہ مذکورہ بالا اطلاع غالباً ان کے ذاتی مشاہدات ہی پر مبنی ہے، امام غزالی چھٹی صدی ہجری کے امام ہیں یہ وہ زمانہ ہے جس میں سارے علوم و فنون جو غیر قوموں سے منتقل ہو کر مسلمانوں میں رواج پذیر ہوئے تھے، اپنے عروج و ارتقاء کے آخری نقطہ تک پہنچ چکے تھے، طب ہی کے سلسلہ میں بڑی بڑی نامور ہستیاں چھٹی صدی ہجری سے پہلے پیدا ہو چکی تھیں، اس لیے نہیں کہا جا سکتا کہ ناواقفیت کی وجہ سے

[1] بعض فوری موثرات کے تحت خاکسار نے اپریل ۳۰ء ہی میں اس مضمون کی ایک قسط لکھکر دفتر معارف میں بھیجی تھی، لیکن گنجایش نہ نکلنے کی وجہ سے اپریل کا بھیجا ہوا یہ مضمون شاید جون ۳۰ء میں شائع ہوا، اس طویل وقفہ کا اثر فوری تاثر پر بھی پڑا، تاہم جب پہلی قسط شائع ہو گئی، تو دوسری قسط لکھکر دفتر میں روانہ کی، مگر معلوم ہوا کہ مضمون ڈاک میں ضائع ہو گیا دل بیٹھ گیا، مگر معارف کے فاضل شریک مدیر مولانا شاہ معین الدین کے اصرار پر کھوئے ہوئے مضمون کو دوبارہ قلم بند کرنے پر آمادہ ہوا تھا تو یہ خدا بشواری کام کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ پہلے کیا لکھا تھا اور اب کیا لکھا گیا واللہ ولی التوفیق۔

مسلمان غیر مسلم اقوام کی طبی امداد کے محتاج اور دست نگر تھے، گویا یہ صورت حال اضطرار یا مجبوری کی رہین منت تھی، یقیناً یہ دعویٰ غلط ہوگا،

باقی یہ وسوسہ کہ مسلمانوں کے دینی احساسات میں رفتہ رفتہ اضمحلال اور سستی کی جو کیفیت پیدا ہوتی چلی جا رہی تھی، سو اس کا نتیجہ بھی اس کو قرار دینا مشکل ہے،

آخر میں پوچھتا ہوں کہ غزالی مانا کہ چھٹی صدی ہجری کے آدمی ہیں لیکن میں تو دیکھتا ہوں کہ غزالی سے سینکڑوں سال پہلے یعنی اسلام کی دوسری صدی کے زمانہ میں پیدا ہونے والے امام حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف بھی کتابوں میں یہ شہادت منسوب کی گئی ہے یعنی علم طب جسے امام شافعی علم کے تین حصوں میں ایک مستقل حصہ قرار دیتے تھے، اسی علم طب کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے،

ثلث العلم وكلوه الى اليهود و	علم کے تہائی حصہ کو مسلمانوں نے یہود و
النصارى (توالى التاسيس لابن حجر ص۶۲)	نصاریٰ کے سپرد کر رکھا ہے،

مان لیا جائے کہ چھٹی صدی ہجری تک پہنچتے ہوئے مسلمانوں میں اپنے دین کے متعلق وہ جوش و خروش باقی نہ رہا ہو جو ان میں پہلے پایا جاتا تھا، لیکن دوسری صدی ہجری میں بھی اگر اس سے وہ خالی ہی تھے تو اس کا مطلب یہی ہوگا کہ جن دینی گرم جوشیوں کو ان کی طرف منسوب کیا جاتا ہے وہ ایک افسانے کے سوا اور کچھ نہیں ہے، ما لكم كيف تحكمون،

لہ بظاہر اس کا مطلب اس زمانہ کے مذاق کے مطابق جس میں امام شافعی تھے، یہی معلوم ہوتا ہے کہ علم الادیان، علم الابدان، علم اللسان یعنی ادب لغت، ان ہی تین علوم کو اہمیت دی جاتی تھی، خود امام شافعیؒ نے علم کی ان تینوں قسموں میں کمال پیدا کیا تھا، علم الادیان اور علم اللسان میں ان کا جو پایہ تھا اس سے تو دنیا واقف ہے، لیکن طب کے ساتھ امام کے تعلق کی گو عام شہرت نہیں ہے، مگر لکھا ہے کہ اس علم میں بھی ان کی غیر معمولی دستگاہ کا یہ عالم تھا کہ مصر جب پہنچے تو بقراط کی کتابیں مصر کے بعض اطباء نے ان سے پڑھنے کی خواہش کی، (دیکھو توالی التاسیس ص۶۲)

اور سچی بات تو یہ ہے کہ مسلمانوں کے جس دین کی طرف تنگ نظریوں، کوتاہ فکریوں کو منسوب کرنے والے آج منسوب کر رہے ہیں، کاش واقعات کا صحیح علم ان کو ہوتا، تو برعکس اس کے شاید وہ اس یقین پر مجبور ہوتے کہ غیر قوموں کے ساتھ ساری فراخ چشمیاں اور رواداریاں جن کا ذکر مسلمانوں کی تاریخ میں کیا جاتا ہے، ان کی ضمانت خود مسلمانوں کے دین اور دین کے عطا کرنے والے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیع طرز عمل میں پوشیدہ ہے،

اس قسم کے چھوٹے موٹے، ناقابل توجہ واقعات مثلاً جب مشہور ایرانی بزرگ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور ایرانی نژاد ہونے کی وجہ سے عربی زبان میں جیسی کہ چاہیے گفتگو نہیں کر سکتے تھے، تو تاریخ خمیس وغیرہ میں لکھا ہے کہ

طلب النبی صلی اللہ علیہ وسلم — تلاش کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک

ترجمانا وکان فی المدینۃ یہودی — ترجمان کو، مدینہ میں ایک یہودی تھا، جو عربی

عارفا بالعربی والفارسی (ج ۱ ص ۳۵۲ خمیس) — اور فارسی زبان سے واقف تھا،

غرض اسی یہودی کو بلایا گیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ترجمانی کا کام اسی یہودی سے لیا،[1]

---

[1] غیر قوموں کے ساتھ میل جول کے ان ہی نمونوں کا نتیجہ تھا کہ صحابۂ کرام جب عرب سے باہر نکلے تو اس علاقے کی زبانوں کو بھی انھوں نے سیکھا، اور ان کے مفید رسم و رواج کو اختیار کیا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جو صحابہؓ میں امام المحدثین سمجھے جاتے ہیں، خطیب نے تاریخ بغداد میں مشہور محدث ابراہیم حربی کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ کان ابوھریرۃ یکلم صبیانہ واھلہ بالنبطیہ (ص ۲۰۶ ج ۵)، یعنی ابوہریرۃ اپنے بچوں اور اپنے گھر کے لوگوں سے نبطی زبان میں گفتگو کرتے تھے، عراق کے سواد و دیہاتی علاقہ میں جو زبان بولی جاتی تھی اور فارسی و عربی کی کچھ ملی جلی شکل تھی، اس زبان کا نام نبطی تھا، اس سلسلہ میں صحابہ کے متعلق دلچسپ معلومات کتابوں میں ملتے ہیں، بلکہ تاریخ خمیس کی مندرجۂ بالا روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جبرئیلؑ نے فارسی زبان سکھائی ۱۲

اور بھی اسی نوعیت کے غیر اہم واقعات کے سوا کون نہیں جانتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر مبارک کا سب سے بڑا واقعہ جس نے سچ پوچھیے تو عرب یا مشرق ہی نہیں بلکہ اپنے نتائج کے لحاظ سے انسانیت کی تاریخ کا رخ پلٹ دیا یعنی سفر ہجرت میں بھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بالکل پروا نہ کی کہ اس اہم تر دینی اقدام میں راستہ دکھانے کے لیے ایک غیر مسلم آدمی کی امداد کیوں حاصل کی جائے؟ بخاری وغیرہ حدیث کی کتابوں میں ہے کہ

استاجر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابوبکر رجلا من بنی الدیل هادیا خریتا وهو علی دین قریش	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ نے قبیلہ بنی الدیل کے ایک شخص کو ملازم رکھا کہ وہ ان کا راستہ بتائے گا، اور یہ شخص قریش کے دین پر تھا (یعنی مسلمان نہ تھا)
(بخاری ج ۱ ص ۳۰۱)	

اور بقول امام بخاری غیر مسلم آدمی کے خدمات سے استفادہ کا یہ واقعہ کوئی استثنائی یا انفرادی واقعہ نہیں ہے، بلکہ وہی لکھتے ہیں

عامل النبی صلی اللہ علیہ وسلم یهود خیبر	خیبر کے یہودیوں سے (بٹائی) کا معاملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

ظاہر ہے کہ خیبر کے جن یہودیوں سے معاملہ کیا گیا تھا، ان کی تعداد ایک دو میں محدود نہ تھی، دراصل یہ اور اسی کی قوم کے بیسیوں نمونوں کو پیش نظر رکھ کر جیسا کہ شارح بخاری ابن بطال کے حوالہ سے نقل کیا جاتا ہے کہ

الفقہاء یجیزون استیجارهم عند الضرورة وغیرها	علمائے اسلام نے غیر مسلم لوگوں کے خدمات سے معاوضہ دے کر کام لینے کی عام اجازت دی ہے، خواہ ضرورت ہو یا نہ ہو۔
(حاشیہ بخاری)	

ضرورت ہو یا نہ ہو، اس کا مطلب یہی ہے کہ اس کام کے انجام دینے کے لیے مسلمان آدمی مل رہا ہو یا نہ مل رہا ہو، ہر حال میں مسلمانوں کو اجازت ہے کہ غیر مسلم اقوام کے افراد سے اس قسم کا معاملہ کرسکتے ہیں،

اور یہ تو خیر عام معاملات کے قصے ہیں، واقعہ یہ ہے کہ غیر مسلم طبیبوں سے طبی امداد حاصل کرنے کا براہ راست نمونہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں موجود تھا،

میرا مطلب یہ ہے کہ عرب کا مشہور طبیب جس کا نام حارث بن کلدہ تھا، طائف کا رہنے والا تھا، ظہور اسلام سے پہلے اپنے وطن طائف سے وہ یمن پہنچا، جہاں اس زمانہ میں ایرانیوں کی حکومت قائم تھی، لکھا ہے کہ کچھ دستگاہ علم طب میں حارث نے یمن ہی میں حاصل کی، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایرانیوں سے ملنے جلنے کی وجہ سے اس کو خود ایرانی علاقہ کی مشہور طبی درسگاہ جند سابور میں باضابطہ علاج و معالجہ میں حذاقت پیدا کرنے کا موقع مل گیا، طبی معلومات اور کمالات کے ساتھ وطن واپس ہوا، اور عرب ہی میں عوام و خواص کے علاج و معالجہ کا مرکز و مرجع بن گیا،

عمر اس نے کافی طویل پائی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود تھا، لیکن جیسا کہ ابن ابی حاتم کے حوالہ سے حافظ ابن حجر نے اصابہ میں نقل کیا ہے،

لا یصح اسلامہ (ص ۳۰۲ ج ۱) حارث کا مسلمان ہونا درست نہیں ہے،

جس کا مطلب یہی ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اس نے اسلام قبول نہیں کیا، اور جیسا کہ طبقات الاطباء میں لکھا ہے:

> حارث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی تھا، اور آپ نیز ابوبکر و عمر و عثمان و علی و معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ تک زندہ رہا (ص ۱۱۰ ج ۱)

اس نے چاروں راشدین خلفاء اور امیر معاویہؓ کی حکومت کا زمانہ بھی پایا، مگر آزادی کے ساتھ باوجود غیر مسلم ہونے کے عرب کی مقدس سرزمین اور اس کے شہر طائف میں بلکہ ایام حج میں مکہ معظمہ پہنچ کر علاج

معالجہ کا کام اس نے جاری رکھا، اور کیوں جاری نہ رکھتا، معمولی تاریخی کتابوں میں نہیں بلکہ حدیث کی مستند کتابوں میں ہم پڑھتے ہیں کہ فاتح ایران حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو فتح مکہ کے موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ آئے، اتفاقاً بیمار ہو گئے، تو ایک طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود سعد کو مشورہ دیا،

ایت الحارث بن کلدۃ اخا ثقیف — ثقیف قبیلہ والے حارث بن کلدہ کی طرف

فانہ متطبب (ابوداؤد) — رجوع کرو کیونکہ وہ معالج ہے،

اور دوسری طرف جیسا کہ حافظ ابن حجر نے ابن مندہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ خود حارث بن کلدہ کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ

عالج سعدا مما بہ (اصابہ ج ا ص ۲۰۳) — سعد جس مرض میں مبتلا ہیں تم اسکا علاج کرو،

کیا اس کے بعد یہ دریافت کرنے کی چیز رہ جاتی ہے کہ غیر مسلم اطباء سے علاج و معالجہ کا جو تعلق مسلمانوں نے آئندہ مسلسل قائم رکھا، ان میں خود ان کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرز عمل کو دخل نہ تھا، جو حارث کے ساتھ قائم کر کے صحابہؓ کو آپ نے دکھایا تھا،

ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر چاہتے تو مسلمانوں کے مقدس ترین شہر مکہ سے اس غیر مسلم طبیب کو نکل جانے کا حکم بآسانی دے سکتے تھے، خصوصاً جب مکہ معظمہ اس کا وطن بھی نہ تھا، بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ مطب کرنے کے لیے وقتاً فوقتاً عرب کے اس مرکزی شہر میں بھی وہ آتا جاتا رہتا تھا، لیکن بجائے اس کے اپنے عزیز صحابی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم دینا کہ حارث سے علاج کراؤ، اور حارث سے فرمانا کہ تم میرے صحابی کا علاج کرو، کیا اس کے بعد اب بھی شک کی گنجائش اس مسئلہ میں باقی رہتی ہے کہ آئندہ غیر مسلم اطباء کے ساتھ مسلمانوں کے جو تعلقات قائم ہوئے ان کا منشا، خود مسلمانوں کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا براہ راست طرز عمل اور آپ کا عملی نمونہ تھا،

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی طرز عمل کی بنیاد پر اسی عادت کو جو مرا تع خلافت راشدہ اور حضرت امیر معاویہؓ کے عہد حکومت مین حاصل ہوئے، کتابون مین لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عادت سے بسا اوقات طبی مسائل مین گفتگو بھی فرماتے، اور یہی طریقہ امیر معاویہ کا بھی تھا، سوچا جا سکتا ہے کہ قدرۃً ان واقعات کا مسلمانون پر کیا اثر مرتب ہو سکتا تھا،

سچی بات تو یہ ہے کہ عرب سے باہر نکلنے کے بعد مصر و شام، عراق و ایران وغیرہ ممالک مین مسلمان جب پہنچے، اور ان کے سامنے پیغمبر کے براہ راست صحبت یافتون کی طرف سے ایسے نمونے پیش ہوتے رہے کہ مثلاً کہتے ہین کہ عمرو بن عاصؓ صحابی جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے مصر کے والی مقرر ہوئے تو مصر پہنچکر عمرو بن عاص کو خبر ملی کہ مشہور عیسائی طبیب جس کا اصلی نام اتوشیوس یا آنسطیوس تھا، لیکن مسلمانون مین یحییٰ نحوی کے نام سے مشہور ہوا، علاوہ طب و فلسفہ وادب کے دین مسیحی مین اجتہاد کا درجہ رکھتا تھا، قسطنطنیہ کے عیسائی دربار مین بڑا رسوخ اسے حاصل تھا، اور زمانہ تک اس کی پایہ تخت مین رہا تھا، قیصر کے دربار سے جیسا کہ ابن ابی اصیبعہ نے نقل کیا ہے، اس کو فیلو نیوس کا علمی و دینی خطاب بھی ملا تھا، لکھا ہے کہ رومی زبان مین فیلونیوس مجتہد کو کہتے ہین، خلکدونیہ نامی مقام مین تثلیثی دین کے اہم مسائل پر بحث و مباحثہ کے لیے علمائے دین مسیحی کی جو مجلسین ہوتی رہین، تو بیان کیا جاتا ہے کہ چوتھی مجلس جسمین ۶۳۰ اسقف یعنی پادریون نے نمایندگی کی تھی، اس مجلس کا ایک ممتاز رکن اتوشیوس بھی تھا،

مگر باوجود ان تمام باتون کے حضرت عمرو بن عاصؓ کے کان تک اس کے علم و فضل کی شہرت جب پہنچی تو جیسا کہ ابن ابی اصیبعہ نے لکھا ہے کہ اس کو حضرت عمرو بن عاصؓ نے بلایا،

واکرمه ورای له موضعا اور اس کی عزت کی اور خاص حیثیت اسکی

لہ ابن ابی اصیبعہ نے طبقات الاطباء مین یہی نام کا اور تاریخ الحکما مین قفطی نے دوسرے نام کا ذکر کیا ہے، غیر عربی نامون کے متعلق عربون مین اس قسم کا اختلاف پیدا ہو جانا محل تعجب نہیں ہو سکتا، مسلمانون کے نام کو آج یورپ والے کن کن شکلون مین بگاڑ رہے ہین، اسی پر قیاس کر لیجئے،

(مصر، ۱۰۴) ان کی نظر میں قائم ہو گئی،

قفطی نے اسی واقعہ کا ذکر کر کے لکھا ہے کہ

فلازمہ وکان لا یکاد یفارقہ — اور اسکو عمرو بن عاصؓ نے اپنے ساتھ رکھ لیا اور مشکل ہی سے وہ اس سے الگ ہونا چاہتے تھے،

(ص ۲۳۲)

پھر دونوں کے تعلقات کی تفصیل کی ہے،

اور عمرو بن عاصؓ تو پھر بھی ایک ملک کے والی اور گورنر تھے، امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو وقت کے سب سے بڑے حکمران اور ان کے زمانہ میں مسلمانوں کے سیاسی اقتدار کے وہی مرکز وحید تھے، اور اسی کے ساتھ صحابیت کا شرف بھی رکھتے تھے، ہم دیکھتے ہیں کہ حکومت کے دوسرے شعبوں اور محکموں کے سوا ان کے دربار میں بھی طبی سررشتہ کا تعلق عیسائیوں یعنی غیر مسلم اطباء کے ہاتھوں میں ہے، جن میں ابن آثال اور دوسرے عیسائی طبیب جس کا اصلی نام معلوم نہیں، مگر مسلمانوں میں ابو الحکم کے نام سے مشہور ہے، ان دونوں کے تذکروں اور ان کے قصوں سے کتابیں معمور ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابن آثال تو علاج و معالجہ میں مشہور تھا، اور ابو الحکم دواسازی میں امتیاز رکھتا تھا، طبقات الاطباء میں ابن آثال کے متعلق لکھا ہے کہ

جب حضرت امیر معاویہؓ نے اپنی حکومت کا اعلان دمشق میں کیا تو ابن آثال کو اپنا معالج خاص مقرر کیا، اس کے ساتھ وہ بہت سلوک کرتے تھے، اور اس کے بہت معتقد تھے، صبح و شام اس سے گفتگو کرتے " (ص ۱۱۶ ج ۱)

اسی طرح ابو الحکم کے متعلق یہ لکھکر کہ کان طبیبا نصرانیا یعنی وہ ایک عیسائی طبیب تھا لکھا ہے کہ طبی امداد امیر معاویہؓ اس سے بھی حاصل کرتے تھے، اور دواؤں کی ترکیب میں اس پر بھروسہ کرتے تھے (ص)

جب گورنروں اور گورنروں سے بھی آگے بڑھکر خود وقت کے حکمران کے درباروں میں غیر مسلم اطباء کی اسلام

کے عہد آغاز یعنی عہد صحابہ ہی میں یہ اونچ نیچ ہو رہی تھی تو عام مسلمانوں میں ان غیر مسلم طبیبوں کی مقبولیت کی کوئی حد ہو سکتی تھی،

دوسری صدی کے امام، امام شافعی سے لیکر عہد غزالی تک تقریباً پانچ ساڑھے پانچ صدیوں کی اجمالی شہادت آپ کے سامنے جو گذری کہ مسلمانوں کے عام علاقے غیر مسلم طبیبوں سے بھرے ہوئے تھے، کیا مذکورۂ بالا معلومات کے بعد بھی کوئی یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ دین سے بُعد یا طول امل کی قدرتی افسردگی کا یہ نتیجہ تھا،

میں تو کہتا ہوں کہ تاریخوں میں یہ واقعہ جو نقل کیا جاتا ہے کہ امیر معاویہؓ کے دربار کا ہی عیسائی طبیب یا زواساز ابو الحکم ان کے حکم سے یزید کے ساتھ حج کے موسم میں مکہ معظمہ آیا، اور ساتھ ساتھ رہا، یا عباسیوں کے زمانہ میں اسی ابو الحکم کو جس نے کافی عمر پائی تھی کہ کے عباسی گورنر عبد الصمد بن علی نے اپنے علاج کیلئے مکہ بلوایا،[۱] اور مسلمانوں کی طرف سے کوئی اعتراض اس پر نہیں ہوا، تو اس کی وجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتی تھی کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حارث بن کلدہ مکہ معظمہ میں مسلمانوں کے علاج و معالجہ کا کام پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے انجام دے چکا تھا،

اور اس سے بھی زیادہ دلچسپ پہلی صدی ہجری کا وہ واقعہ ہے جس کا ذکر ابن سعد نے اپنی طبقات میں کیا ہے، یعنی شام کے ایک عیسائی طبیب جس کا نام عبد الرحمٰن تھا، لکھا ہے کہ کسی وجہ سے شام چھوڑ کر وہ مکہ معظمہ پہنچا اور وہیں اس نے مطب قائم کیا، طبقات کے الفاظ یہ ہیں کہ

کان عبد الرحمٰن ابو داؤد نصرانیا	عبد الرحمٰن جس کی کنیت ابو داؤد تھی ایک عیسائی تھا،
وکان رجلا من اھل الشام وکان	شام کا باشندہ تھا اور طبابت کرتا تھا، پھر مکہ
یتطبب فقدم مکۃ فنزلھا (ج ۵ ص)	آیا، اور وہیں رہ پڑا،

قابل توجہ اور خاص طور پر جو چیز عبد الرحمٰن الطبیب النصرانی کے تذکرہ میں اہمیت رکھتی ہے وہ یہ ہے

---

[۱] دیکھیے طبقات الاطباء ج ۱ ص ۱۱۹

کہ مکہ معظمہ میں اپنا مطب اس عیسائی طبیب نے کہاں قائم کیا تھا، ابن سعد کا بیان ہے کہ

عبد الرحمن یجلس فی اصل منارة المسجد الحرام من قبل الصفا (۲)	کوہ صفا کی طرف مسجد حرام یعنی کعبہ کا جو منارہ تھا عبد الرحمن اسی منارہ کے نیچے بیٹھا کرتا تھا،

جیسا کہ میں نے عرض کیا یہ واقعہ پہلی صدی ہجری کا ہے، ذرا اندازہ کیجیے مسلمانوں کی دینی فراخ دلی کا کہ ایک غیر مسلم طبیب ان کے اس شہر میں آکر قیام کرتا ہے، جہاں ان کی نمازوں کا قبلہ اور بیت اللہ ہے جس کا وہ حج کرتے ہیں، اور اسی بیت اللہ کی مسجد کے مینارے کے پایہ کے پاس مطب کھولتا ہے، لیکن کسی کو اس پر اعتراض تو کیا ہوتا ہے، بلکہ لکھا ہے کہ شرفائے قریش میں آل جبیر کا جو ممتاز خاندان تھا، اسی خاندان کی سرپرستی اس عیسائی طبیب کو حاصل تھی، ابن سعد ہی میں ہے

ووالی آل جبیر بن مطعم بن عدی	موالات کا تعلق جبیر بن مطعم بن عدی کے خاندان والوں سے عبد الرحمن نے قائم کیا تھا،

آج دنیا میں ایسے کتنے ممالک اور علاقے ہیں، جہاں اس لیے کہ مسلمانوں کی آبادی اتفاقاً اقلیت کے داغ سے داغدار ہوگئی ہے، اکثریت والوں نے ان کی زندگی کو دوبھر بنا رکھا ہے، اور کہا جاتا ہے کہ اپنے عہد اقتدار میں غیر قوموں کے ساتھ موجودہ مسلمانوں کے باپ دادوں نے جو سلوک کیا تھا، یہ اسی کا انتقام ہے،

اس بے بنیاد دعوے کے مقابلہ میں تاریخ کی شہادتیں کیا ہیں؟ یا جرم کی سزا ان لوگوں کو دینی جنھوں نے خود کوئی جرم نہیں کیا ہے، مگر یہ الزام لگا کر کہ تم نے نہ سہی تمھارے باپ دادوں نے تو جرم کا ارتکاب کیا تھا، قانوناً و عقلاً کس حد تک غیر مجرموں سے بدلہ لینا درست ہو سکتا ہے، ان امور سے قطع نظر کرتے ہوئے میں صرف اسی ایک جزئی واقعہ کو پیش کرتا ہوں، اور پوچھتا ہوں کہ مسلمانوں کے ان ہی باپ دادوں کو مجرم ٹھہرایا جاتا ہے، جو اپنے مقدس ترین شہر میں بھی اپنی سب سے

بڑی مرکزی مسجد کے زیر سایہ غیر مسلم آدمی کو پناہ دینے سے بھی دل میں تنگی نہیں محسوس کرتے تھے

حقیقت تو یہ ہے کہ مسلمانوں کے گذشتہ آباء و اجداد جن پر تنگ نظری اور قومی و ملی عصبیت کے بعض طبائع کی طرف سے طرح طرح کے الزام تراشے جاتے ہیں، کاش! اپنی کوتاہ بینی کے عوارض سے پاک ہوکر مسلمانوں کی تاریخ کا مطالعہ کرتے، تو ان کو شاید یہ ماننے پر مجبور ہونا پڑے گا کہ جن گذرے ہوئے بزرگوں کو طعن و تشنیع کا آج نشانہ بنایا جارہا ہے، ان کے سینے اتنے کشادہ اور نگاہیں اتنی وسیع تھیں، اور اسی بنا پر ایسی باتیں وہ کر گذرتے تھے، کہ جن کو کرنا تو کرنا شاید عہد جدید کے مسلمان اس کے سننے کی تاب بھی نہیں لاسکتے،

دور کیوں جایئے، اسی طب و طبابت کے قصہ میں ابن ابی اصیبعہ نے مشہور غیر مسلم عیسائی طبیب جبریل بن بختیشوع کے تذکرے میں یہ قصہ جو نقل کیا ہے کہ ایک دن ہارون عباسی خلیفہ دربار میں بیٹھا ہوا تھا، جبرئیل بھی حاضر تھا، ہارون نے جبرئیل کی طرف خطاب کرکے کہا کہ

"تم جانتے ہو میرے دل میں تمھاری کتنی جگہ ہے"

پھر خود ہی ہارون نے مسلمانوں سے بھرے ہوئے دربار میں کہنا شروع کیا کہ

"خدا کی قسم موقف (یعنی میدان عرفات جہاں کے قیام کے بغیر حاجی کا حج پورا نہیں ہوتا اسی موقف میں) ہے، جبرئیل میں نے تیرے لیے دعائیں کیں، اور بہت زیادہ دعائیں کیں" (طبقات الاطبار ج ۱ ص ۱۲۰)

موقف یعنی عرفات کے میدان کی دینی اہمیت مسلمانوں میں جتنی ہے، جو اس سے واقف ہیں، وہ شاید صحیح طور پر اندازہ نہیں کرسکتے کہ ہارون اس وقت کیا کہہ رہا تھا، اور غیر قوموں کے ساتھ مسلمانوں کی رواداری کی کتنی غیر معمولی مثال پیش کر رہا تھا، جذبۂ احسان شناسی کی یہ ایک تاریخی نظیر ہے، جسے عمل کرکے ہارون نے دکھایا، مسلمانوں پر جنھوں نے احسان کیا ان کو وہ کہیں نہیں

بھولتے، حرم مین جگہ دیتے ہین، حرم کی مسجد کے نیچے اسے خود بٹھاتے ہین، اور عدیہ ہے کہ یہ جانتے ہوئے کہ جس کے لیے دعائین کر رہا ہون وہ مسلمان نہین ہے، وہ اس خاص مقام پر دعا کرتے ہین، جس کے متعلق کم از کم ان کا یہ دینی اذعان، اور ایمانی ایقان ہے کہ وہان کی دعا نامقبول نہین ہوتی، دربار سے بعضون نے ہارون سے پوچھا بھی، جواب مین اس نے کہا تھا کہ

"میں مسلمانون کے حقوق کا محافظ ہون اور جبرئیل میری جسمانی صحت کا محافظ ہے،

اس لیے دراصل جبرئیل کا وجود مسلمانون کا محافظ ہے"

راوی کا بیان ہے کہ ہارون کے اس جواب کو سن کر دربار والون نے کہا

صدقت یا امیر المومنین (...) آپنے سچ فرمایا اے مسلمانون کے امیر

مین نہین جانتا کہ اس صدقت (سچ کہا آپنے) کی تصدیق پر اس زمانے کے مسلمان آمادہ بھی ہون گے یا نہین؟ مگر اتنی بات کے لیے تو کسی تلاش و جستجو کی بھی ضرورت نہین، آپکے سامنے زمین کے اسی کرہ پر حبشہ (ابی سینیا) کی عیسائی حکومت تیرہ سو سال سے قائم ہے، اپنے جغرافی محل وقوع کے لحاظ سے کوئی نہین جانتا کہ اگر چاہا جاتا تو اپنے محروسہ مقبوضہ علاقہ مین بآسانی اس علاقے کو بھی شریک کرلے سکتے تھے، مگر اسی جذبۂ امتنان و تشکر کا یہ نتیجہ ہے کہ کشورکشائیون کے سلسلے مین مسلمان دنیا کے دور دراز علاقون مین گھستے چلے گئے لیکن حبشہ والون نے بڑے نازک وقت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیون کی مختصر تعداد کو چونکہ پناہ دی تھی، اس لیے نگاہ غلط انداز بھی ان کی حبشیون کی اس سرزمین پر نہین پڑی، حالانکہ جس وقت حبشہ والون نے ان صحابیون کو پناہ دی تھی اس وقت بھی ان کی اکثریت دین مسیحی ہی پر قائم ہے،

کچھ بھی ہو، میرا ناچیز خیال یہی ہے کہ مسلمان حکمرانون اور عام مسلمانون نے بغیر کسی تنگ دلی کے غیر مسلم اطباء کے خدمات سے استفادہ کے سلسلہ کو آئندہ جو جاری رکھا، اس کی حوصلہ افزائی عہد نبوت

و خلافت راشدہ کے روایات ہی سے ہو رہی تھی،

اور شاید یہی وجہ ہے کہ سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ خلیفہ نے بھی اپنے زمانہ میں اطبا کے ساتھ مروانی حکمرانوں کے جو تعلقات تھے، ان میں صرف یہی نہیں کہ کسی قسم کی ترمیم و اصلاح نہ فرمائی، بلکہ کتابوں میں لکھا ہے کہ اہرن بن اعین القس کی کتاب کناشہ (یا قرابادین) کا ترجمہ سریانی زبان سے بنی امیہ کے عہد کے یہودی طبیب ماسرجویہ نے عربی زبان میں کیا تھا، اور علاوہ شرح کے مزید دو مقالوں کا بھی اضافہ اس کتاب میں اس کی طرف سے عمل میں آیا تھا، بیان کیا جاتا ہے کہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے چالیس دن تک اس کتاب کو اپنی عبادت گاہ کے کمرہ میں رکھا، اور اس کے بعد حکم دیا کہ عام مسلمانوں میں یہ کتاب پھیلا دی جائے، (طبقات الاطبا، ص ۱۶۳ ج ۱)

زیادہ سے زیادہ اس سلسلہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی جس اصلاحی خدمت کا تذکرہ کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ عام طور پر اس زمانے میں یہودی اور عیسائی اطبا تریاق کے نام سے جو چیز تیار کرتے تھے، اس میں سانپ بھی نسخہ کا ایک جز تھا، ابن سعد نے طبقات میں ابن لہیعہ محدث کے حوالہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے صوبہ کے عامل کو لکھا تھا کہ تریاق میں بجائے مردہ سانپ کے نہ ڈالا جائے۔

الاحیۃ ذکیۃ (ص ۲۸۸-ج ۵)   مگر ذبح کیا ہوا سانپ،

حالانکہ سانپ خواہ میتہ (مردہ) ہو، یا ذکیہ (ذبح کیا ہوا) ہر حال میں حرام ہے، مگر طبی ضرورت سے ایسا معلوم ہوتا ہو کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا خیال بھی وہی تھا، جو بہت سے دوسرے ائمہ اسلام کا ہے کہ دوا از حرام چیزوں کا استعمال بھی جائز ہوجاتا ہے[۱]، میں خود طبیب نہیں ہوں، مجھے معلوم نہیں ہے کہ تریاق میں

---

[۱] حرام چیزوں سے دوا (استعادہ) یا ان کا کھانا جائز ہے یا نہیں، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ اس باب میں یہ نقل کیا جاتا ہے کہ جب تک اطبا صحت کو اسی دوا کے استعمال کے ساتھ محدود نہ کریں، اس وقت تک ان کا استعمال

سانپ کو لوگ کس طرح شریک کرتے تھے، آج کل کے اطباء کا اس کے متعلق کیا خیال ہے، عہد جدید کی ڈاکٹری دواؤں میں مسلمانوں کے لیے عام ابتلا کی جو صورت پیش آگئی ہے، ارباب علم و فتویٰ چاہیں تو حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے اس "اثر" سے سہولت کی راہ پا سکتے ہیں،

خیر یہ تو ایک ضمنی بات تھی، میں کہنا یہ چاہتا تھا کہ خلافت راشدہ کے بعد جب بنی امیہ کے ہاتھوں میں سیاسی اقتدار آیا، تو ایک طرف جیسا کہ عام طور پر لوگ جانتے ہیں، قدیم عربی حمیت کے بجھے ہوئے شعلے ان زمانہ میں بھڑک اٹھے تھے، جس اسلامی نظام میں ایران کا مسلم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھرانے کا رکن بن جاتا تھا، خالص قریشی نژاد خلیفہ عمر فاروقؓ اپنی صاحبزادی کو اس کے عقد ازدواج میں دینے کے لئے آمادہ ہو جاتے ہیں،[۵]

حبشی بلالؓ ان ہی عمر فاروقؓ کا سیدنا بن جاتا ہے، اسی اسلامی نظام میں بنی امیہ کے فرمانرواؤں نے عربی و عجمی موالی و غیر موالی کے سوال کو اٹھایا، اور جہاں تک ان کے امکان میں تھا، اس کلمہ منتنہ[۶] (بدبودار) سے نفع اٹھانے میں کمی نہ کی،

(بقیہ حاشیہ ص ۳۴۹) جائز نہ ہوگا یعنی اس حرام کا بدل حلال دوا اگر مل سکتی ہے، تو اس وقت تک حرام دوا کو استعمال نہ کرنا چاہئے، لیکن دوسرے ائمہ کا فتویٰ ہے کہ بدل ملے یا نہ ملے، دوا کا حرام چیزوں کا استعمال حرام ہی ہے، تفصیل کے لئے فقہ کے مطولات کا مطالعہ کیا جائے، عجیب بات یہ ہے کہ امام شافعی کا نام بھی ثانی الذکر طبقہ میں لیا جاتا ہے یعنی دوا حرام چیزوں کا استعمال جائز ہو جاتا ہے، مگر الدمیری نے حیات الحیوان میں نقل کیا ہے کہ جس تریاق میں سانپ ڈالا گیا ہو، امام شافعی اس کے کھانے کی اجازت اس وقت تک نہیں دیتے تھے، جب تک کہ اضطرار کی حالت نہ پیدا ہو جائے، جس میں قرآن نے مردار کے استعمال کی بھی اجازت دی ہے (ج ۱ ص ۲۴۵ حیات الحیوان دمیری)، ۱۲ [۵] میرا اشارہ سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف ہے، ۱۲-

[۶] عہد نبوت و رسالت میں نسلی و وطنی سوالات کوئی اگر اٹھاتا تو آواز بلند ہوتی تھی، دعوہا فانہا کلمۃ منتنۃ (اسکو چھوڑو یہ بدبو بات ہے)

مگر باوجود اس کے ہم اطبا کے لباس میں ان ہی اموی فرمانرواؤں کی شاہی خوابگاہوں میں یہودی اور عیسائی طبیبوں کو پاتے ہیں، ابن ابی اصیبعہ نے نقل کیا ہے کہ مروانی حکمران عبد الملک جب مرض الموت میں مبتلا ہوا، تو وہی عیسائی طبیب جس کی کنیت مسلمانوں نے ابو الحکم رکھدی تھی، پہلے بھی اس کا ذکر آچکا ہے کہ یزید کے ساتھ بطور اتالیق کے موسم حج میں امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو حجاز بھیجا تھا، اسی ابو الحکم کا بیان ہے کہ عبد الملک نے اس کو اپنے زمانہ میں بلا لیا، اسکی روایت کے الفاظ ہیں :-

فادنی مجلس وعنده كل بنياته (ج ۱ ص۱۱۶)

ترجمہ: میں عبد الملک کے بستر علالت کے پاس بٹھایا ہوا تھا، اور عبد الملک کی لڑکیاں بھی وہاں تھیں

واللہ اعلم درمیان میں کوئی پردہ تھا، یا برقع اوڑھکر باپ کے پاس عبد الملک کی یہ شہزادیاں آئی تھیں، میری غرض یہ ہے کہ قرب اور نزدیکی کا جو مقام غیر مسلم طبیبوں کو مروانی حکومت میں دیا گیا تھا، کیا اس کے بعد بھی کوئی مرتبہ سوچا جا سکتا ہے؟[2]

---

[1] آگے جو قصہ ابو الحکم نے بیان کیا ہے وہ بڑا دردناک ہے، لکھا ہے کہ اسی عرصہ میں عبد الملک کا ولی عہد ولید بھی اسی کمرے میں داخل ہوا، اور باپ سے حال پوچھنے لگا، مگر جس انداز سے مزاج پرسی کر رہا تھا، عبد الملک نے تاڑ لیا، یعنی اپنی بادشاہی کا خواب اس کے مرنے کے بعد دیکھ رہا ہے، عبد الملک کی زبان پر یہ ساختہ یہ شعر جاری ہوا جس کا ترجمہ یہ ہے کہ

"ایک شخص میرا حال دریافت کر رہا ہے، اور چاہ رہا ہے کہ میں مرجاؤں، دوسری طرف کچھ عورتیں (لڑکیاں) مزاج پرسی کر رہی ہیں، اور ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں"

[2] صرف قیاس سے میں یہ نہیں کہہ رہا ہوں، طبقات الاطباء ہی میں ابو سہل نوبخت ایرانی طبیب کے ذکر میں لکھا ہے کہ خلیفہ منصور کے پاس پہلی دفعہ جب ابو سہل پیش ہوا، تو نام پوچھنے پر اس نے اپنا اصل ایرانی نام بتاتے ہوئے کہا کہ میرا نام خرشاذ ماہ طیما ذاذا باذ خسرو ابهشاذ ہے، اس طویل لمبے نام کو سنکر منصور مسکرایا پھر کہا کہ تمھارے باپ نے تو عجب تماشا کیا جواب دہی صورت، علاوہ تمام الفاظ میں سے طیما ذ ا منکے تمکو میں چن لیتا ہوں اسی نام سے تم کو موسوم کیا جائیگا اور یہی چاہو تو اپنی کنیت ابو سہل"

حیرت ہوتی ہے کہ عربیت کے سب سے بڑے علمبردار اموی حکومت کے تاج کا جوہر تابدار اور مسلمانوں کا سب سے بڑا ظالم قہار حجاج بن یوسف ثقفی جیسے آدمی کو بھی طبّی کاروبار میں ہم کافی وسیع النظر پاتے ہیں جو اس کی جو کچھ بھی ہو، مان بھی لیا جائے کہ پرخوری کی عادت بد سے مجبور ہو کر وہ طبیبوں کا دست نگر ہو گیا تھا لیکن جس نے سارے ایرانی ممالک کے فارسی دفاتر کو عربی زبان میں بہ یک اشارہ چشم بدل دیا تھا، اس کے لئے کیا دشوار تھا کہ عربی النسل اطباء کو اپنے اردگرد جمع کر لیتا خصوصًا بنی ثقیف جس سے حجاج کا خاندانی تعلق تھا، اسی قبیلہ میں پشتہا پشت سے عربی طبیبوں کا ایک سلسلہ اسلام سے پہلے بھی پایا جاتا تھا، اور بعد کو بھی اس خاندان کے اطباء کا ذکر لوگوں نے کیا ہے، یعنی وہی حارث بن کلدہ جو عہد نبوت میں حجاز کا سب سے بڑا طبیب شمار ہوتا تھا، اور اس کو بھی جانے دیجئے، حجاج کے لئے کیا دشوار تھا کہ اپنے علاقہ چند سالوں کی طبّی درسگاہ میں عرب نوجوانوں کو بھیج کر اپنے لئے عربی النسل اطباء کا اشاف تیار کر لیتا، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ حجاج کے دربار کا بھی سب سے زیادہ سربرآوردہ اور اس کا محبوب ترین چہیتا طبیب بھی عیسائی ہی تھا، نام اس کا لوگ تیاذوق بتلاتے ہیں، لفظ کی صورت بتاتی ہے کہ کسی غیر معمولی عربی لفظ کی یہ عربی شکل ہو، واللہ اعلم بالصواب، ابن ابی اصیبعہ جس کی نظر سے ابراہیم بن القاسم الکاتب کی کتاب اخبار الحجاج گذر چکی تھی، جس میں کافی بسط و تفصیل کے ساتھ حجاج کے حالات درج کئے گئے ہیں، اسی کتاب کے حوالہ سے بھی اور دوسری کتابوں سے بھی اخذ کر کے تیاذوق کے بڑے دلچسپ قصے اپنی کتاب میں نقل کئے ہیں، اسی میں لکھا ہے کہ

کان یعتمد علیہ و یثق بمداواتہ	حجاج تیاذوق پر بھروسہ کرتا تھا، اور
وکان لہ منہ الجامکیۃ	اس کے علاج پر اعتماد کرتا تھا، حجاج

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۵۱) رکھ لو، ابوسہل نے دوسری صورت کو سہل قرار دیا، اور بعد کو "ابوسہل" کے نام سے مشہور ہوا جس سے معلوم ہوا کہ عربی کنیت ان عیسائی یا یہودی طبیبوں کی مسلمانوں کی طرف سے رکھی جاتی تھی، ۱۲

الوافدکا، والاقتصاد الکمنین	کے ہاں سے غیر معمولی تنخواہ بھی تیاذوق کو ملتی تھی، اور یوں بھی اس کی بہت زیادہ
(ص ۱۲۱ ج ۱۵)	خبرگیری کرتا تھا،

یہ بھی لکھا ہو کہ جب تیاذوق مرض موت میں مبتلا ہوا تو حجاج عیادت کے لئے براہ راست اس کے گھر گیا خود کہتا تھا کہ

لما حضرتہ الوفاۃ دخلت علیہ اعودہ، (ص ۱۲۳)	جب تیاذوق مرض الموت میں مبتلا ہوا تو میں اس کے گھر گیا عیادت کرنے کے لئے،

آج ان افعال کے وزن کو ہم محسوس نہیں کر سکتے تھے لیکن حجاج جو اموی حکومت کے سارے ایشیائی علاقہ کا مطلق العنان والی و حاکم تھا، اور نخوت و کبر میں اس کا جو حال تھا، ان امور سے جو واقف ہیں، وہ سمجھ سکتے ہیں کہ یہ کتنا غیر معمولی واقعہ تھا، ممکن ہے کہ اس میں تیاذوق کی غیر معمولی حذاقت کو بھی دخل ہو، حجاج اپنے لڑکے محمد سے بیان کیا کرتا تھا کہ

"بقائے صحت کے متعلق تیاذوق کے طبی مشوروں کو میں نے اپنے تجربہ میں بالکل درست پایا، اور ہمیشہ ان پر عمل کرنے سے مجھے نفع پہنچا"[1]

یا تیاذوق کی غیر معمولی حاضر جوابیوں سے حجاج کے دل میں غیر معمولی اثر اس کا جو قائم کر دیا تھا، اس کا نتیجہ ہو، حجاج اپنے بے پناہ مظالم کی وجہ سے اپنے آپ کو ہمیشہ مشکلات میں گھرا پاتا تھا، تیاذوق جب آجاتا، تو اس کی گفتگو سے تھوڑی دیر کے لئے اس کا غم غلط ہو جاتا تھا، اس سلسلہ میں لوگوں نے تیاذوق کے متعدد لطیفوں کا ذکر کیا ہے، جن میں اُس کے ذہنی انتقال کی بڑی اچھی مثال یہ ہے کہ حجاج کے سر

---

[1] اگر یہ واقعہ ہو جیسا کہ ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں نقل کیا ہے کہ بعضوں نے حجاج کو دسترخوان پر کھانے ہوئے پایا، جتنے لقمے اٹھاتا تھا، انھیں وہ گن رہے تھے، بیان کرتے تھے کہ مسلم ایک روٹی میں ایک کف دست

مین درد تھا، تیاذوق بُلایا گیا، اُس نے حکم دیا کہ امیر کے پاؤن پر گرم پانی ڈالا جائے، اور تیل کی مالش کی جائے، ایک خواجہ سرا جو عموماً خصی ہوتے تھے، حجاج کے سامنے کھڑا تھا، بے ساختہ بول اٹھا کہ درد تو امیر کے سر مین ہے اور عجیب طبیب ہے مشورہ دے رہا ہے کہ امیر کا پاؤن دھویا جائے، تیاذوق نے کہا کہ میرے دعوی کی دلیل تو تیرے چہرے پر ہے، خواجہ سرا نے کہا کہ وہ کیا، بولا کہ جو چیز تمھارے اندر سے نکالی گئی، وہ کہان تھی؟ ڈاڑھی تمھارے چہرے سے غائب ہو گئی، خواجہ سرا شرمندہ ہو گیا،

بہرحال عبدالملک اور حجاج جو غربت کی زندگی سے امارت و دولت تک پہونچے تھے، بداوت یا دہقانیت سے زیادہ دور نہین ہو سکتے تھے، جب اُن کے درباروں مین غیر مسلم اطبار کو عزت و جاہ کی اُن بلندیون پر پہنچا رہے ہین، تو اسی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آیندہ ان مروانی حکمرانون کے تعلقات کی نوعیت ان طبیبون کے ساتھ ترقی کے کس نقطہ تک پہونچ گئی ہوگی، جنھون نے شاہی خاندان مین پرورش پائی تھی اور پیدا ہونے کے ساتھ ناز و نعمت کی زندگی کے عادی تھے، ان ہی حکمرانون مین جب اس قسم کے لوگ پیدا ہو چکے تھے، جو فخر کرتے تھے کہ مین کسری کا بیٹا ہون، اور مروان میرا باپ ہے، میرا نانا قیصر بھی ہے، اور

(بقیہ حاشیہ ص ۳۵۳) کمن پھر آیا اور گھٹنا جاتا تھا، اس طرح (۴۰۸) تھے مین نے اس کے گنے غالباً تیاذوق کی دوائون نے اس کے معدے مین ہضم کی یہ غیر معمولی قوت پیدا کر دی تھی، (دیکھو ابن عساکر ج ۵ ص ۲۲) طبقات الاطبا مین ایک لطیفہ یہ نقل کیا ہے کہ تیاذوق سے حجاج نے کچھ ضعف معدہ کی شکایت کی، اس نے مشورہ دیا کہ بھنے ہوئے پستے سامنے رکھ لیجئے، اور ایک ایک دانہ توڑ توڑ کر بطور نقل کے استعمال کیجئے، حجاج نے درباریون سے کہا کہ بھنے ہوئے پستون کے استعمال کا مشورہ آج تیاذوق نے مجھے دیا ہے، کہتے ہین کہ مختلف درباریون کے گھر سے بھنے ہوئے پستون کے خوان کے خوان نازل ہونے لگے، حجاج نے بھی مٹھیون مین بھر بھر کر پھانکنا شروع کیا، اور اتنا کھا گیا کہ بدہضمی ہو گئی، تیاذوق بلایا گیا، حجاج نے کہا کہ یہ کیا ہوا؟ بولا کہ اے امیر! مین نے تو عرض کیا تھا کہ دانہ دانہ کر کے اسے چکھئے گا، آپ نے تو پھانکنا شروع کیا، حجاج شرمندہ ہو گیا، پھر علاج معالجہ سے طبیعت درست ہو گئی

ناتان بھی[1]،

سوچا جاسکتا ہے کہ اپنی ہم رشتہ قوموں کے افراد کے ساتھ حسن سلوک میں اگر اسے خالص عربی نژاد بزرگوں سے وہ آگے بڑھ گئے ہوں، تو اس پر تعجب نہ ہونا چاہئے،

افسوس ہے کہ مروانیوں کے اسی سال کے دورِ حکومت میں دربار سے جن جن اطبار کا تعلق رہا، لوگوں نے تفصیلی تذکرہ اپنی کتابوں میں نہیں کیا ہے مگر تیاذوق ہی کے متعلق ہم ان ہی میں پاتے ہیں کہ اس کا بیٹا بھی طبیب تھا، ابن ابی اصیبعہ نے لکھا ہے کہ اسی بیٹے کے لئے تیاذوق نے کناش کبیر بھی لکھی تھی، اور کتاب الادویہ بھی جس میں بیان کیا ہے کہ

کیفیۃ دقھا وایقاعھا وذابتھا وشئی من تفسیرالادویۃ،	دواؤں کے کوٹنے اور اُن کے ڈالنے گھلانے وغیرہ کے طریقے بھی بیان کئے گئے تھے، اور بعض دواؤں کے نام کی بھی تشریح کی تھی،
(صفحہ ۱۲۳)	

نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اپنے بعد تیاذوق نے شاگردوں کی بھی معقول تعداد چھوڑی تھی جن میں یہودی طبیب فرات بن شحاثا کے متعلق طبقات الاطباء میں لکھا ہے کہ

کان تیاذوق المتطبب یقدمہ علی جمیع تلامذتہ،	تیاذوق طبیب اس کو (یعنی فرات بن شحاثا) کو اپنے تمام دوسرے شاگردوں

---

[1] عام تاریخوں میں یزید بن الولید مروانی فرمانروا کی طرف عربی کا یہ شعر منسوب کیا گیا ہے، وہ کہا کرتا تھا،

انا ابن کسری وابی مروان ... وقیصر جدی وجدی خاقان

(ص ۳، ابن کامل اسی کا ترجمہ درج کیا گیا ہے، کہتے ہیں کہ یزید بن الولید کی ماں جس کا نام سارینبت تھا کہتے ہیں کہ اس میں واقعی ایران کے کسری، روم کے قیصر ترکوں کے خاقان کا خون شریک تھا، ۱۲

پر ترجیح دیتا تھا، (جلد ا صفحہ ۱۶۱)

اسی فرات بن شحاثا یہودی کے متعلق یہ بھی لکھا ہے کہ

خدم الحجاج بن یوسف و — اُس نے حجاج بن یوسف کی بھی اس

هو حدث — زمانہ میں خدمت کی تھی، جب یہ یہودی

طبیب جوان تھا، (ج ا ص ۱۶۱)

فرات نے کافی عمر پائی، مروانیوں کا دور جب ختم ہوگیا، اور ان کے جانشین عباسی ہوئے تو ان کے دربار میں فرات داخل ہوگیا، کوفہ کے عباسی گورنر عیسیٰ بن موسیٰ نے اس کو اپنا طبیب خاص مقرر کیا تھا، جیسا کہ بیان کیا گیا ہے، عیسیٰ کا وہ صرف طبیب ہی نہیں تھا، بلکہ سیاسی مشیر بھی بعض سیاسی مشورے فرات نے جو اس کو دیئے تھے، فرات کی وفات کے بعد جب واقعات اسی کی سیاسی بصیرت کے مطابق پیش آتے، تو عیسیٰ کہا کرتا تھا کہ

فرات اتو کتنا صائب الرائے آدمی تھا، جو بات بھی تو کہتا تھا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وقوع سے پہلے گویا بے نقاب ہو کر تیرے سامنے آجاتی تھی، جو واقعات آج میرے سامنے پیش آرہے ہیں، تو ان کو گویا دیکھ رہا تھا، (صفحہ ۱۶۳)

ابن ابی اصیبعہ نے فرات کے بعض سیاسی مشوروں کا تذکرہ بھی کیا ہے جو پڑھنے کے قابل ہیں افسوس ہے کہ ان کی تفصیل کی یہاں موقع نہیں ہے، ان کے پڑھنے سے ایک طرف جہاں اس کا پتہ چلتا ہے کہ غیر مسلم اقوام کے ان طبیبوں پر کتنا غیر معمولی اعتماد مسلمانوں کے سلاطین و امراء کرتے تھے، تو دوسری طرف اس کا بھی انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ اپنے قدر شناسوں کے ساتھ ان کے تعلقات بھی کتنے مخلصانہ اور سچی بہی خواہیوں پر مبنی تھے،

جیسا کہ میں نے عرض کیا، مروانی حکمرانوں کے دربار کے ان طبیبوں کا تفصیلی تذکرہ کتابوں

نہین پایا جاتا لیکن جب عباسیون نے اپنے ہاتھ مین مسلمانون کی حکومت کی باگ لی، اس وقت جو تماشا اس سلسلہ مین پیش آیا، وہ دیکھنے کے قابل ہے،

عباسیون نے جیسا کہ جاننے والے جانتے ہین زیادہ تر کامیابی غیر عربی عناصر کی امداد و معاونت سے حاصل کی تھی، قدرۃً ان کا دربار عجمیون سے بھر گیا، عموماً مالی کاروبار کا عباسیون کے زمانہ مین یہودی جہبذون یا موجودہ اصطلاح مین یہودی بنیک کارون سے تعلق تھا،

عباسیون کی تاریخ کا یہ ایک بڑا اہم باب ہے، میرے سامنے اس وقت صرف اطبار اور معالجین کا قصہ ہے، آیئے پہلے اس کو سُن لیجئے، پھر اگر توفیق رفیق ہوئی تو عہد عباسی کے جہابذہ کی داستان بھی سُنا دی جائیگی، اگر اجل مسمّی نے فرصت نہ دی تو مین دوسرے ارباب علم و قلم سے درخواست کرتا ہون کہ آیندہ اس مضمون کی تکمیل فرما دین گے،

سچ پوچھئے تو غیر مسلم اطبار کے عروج و اقبال کا حقیقی زمانہ عباسیون ہی کا عہد ہے، ان کے دربار مین یہودی عیسائی، مجوسی، صابی اطبار کے سوا نیا عنصر ہندوستانی طبیبون کا بھی داخل ہو گیا تھا کہتے ہین کہ عباسیون کا دوسرا خلیفہ ابوجعفر منصور ضعف معدہ مین مبتلا تھا، اچھا نہ ہوتا تھا، ایک ہندوستانی طبیب نے بھینکی بنا کر دی جس سے صحت حاصل ہوئی، اور اُس کے دل مین ہندی طریقۂ علاج کا وزن پیدا ہوا، نیز خالد برمکی کو ہند اور ہندی علوم سے جو تعلق تھا، اس کو بھی عباسیون کے دربار مین "ہندی طب" بلکہ دوسرے ہندی علوم و فنون کی روشناسی مین بہت دخل ہے، اب خواہ اسباب کچھ بھی ہون ہندوستانی اطبار کی کافی تعداد مختلف زمانہ مین بغداد پہنچی ہے، ہندی طب کی بے شمار کتابون کا ترجمہ عربی زبان مین کیا گیا، اردو زبان مین کافی مواد اس مسئلہ مین جمع ہو چکا ہے، ابن ابی اصیبعہ نے ہندی اطبار اور ہندی طب کی جو کتابین عربی مین ترجمہ ہوئین ان کی فہرست درج کی ہے، جس مین دلچسپ بات یہ ہے، کہ منجملہ اور

کتابوں کے ایک کتاب ہندوستان سے بغداد پہنچی جس کا نام علاجات النساء تھا، یا اسی عنوان پر یہ کتاب لکھی گئی تھی، بہرحال دلچسپ بات یہ ہے کہ ابن ابی اصیبعہ کا بیان ہے کہ

کتاب روسی الهندیه فی علاجات النساء، (ج ۲ صفحہ ۳۲) ‏ روسی ہندی خاتون کی کتاب عورتوں کے علاج کے متعلق ہے،

میں نہیں جانتا کہ اس ہندوستانی مصنفہ کی اس خدمت کا جو اپنے جنس کی اس نے انجام دی تھی، دوسروں نے بھی تذکرہ کیا ہے یا نہیں، اور اس زمانے میں اس کے متعلق لوگوں کی تحقیق کیا ہے، کچھ بھی ہو طب جیسے اہم فن پر ہندوستان کی کسی خاتون نے کتاب لکھی ہے، اس کا پتہ تو اس تاریخی شہادت سے چلتا ہے، کاش اس فن سے تعلق رکھنے والوں کی توجہ اس کتاب کی طرف مبذول ہو، مسلمانوں کی طب کی تاریخ پر کام کرنے والوں کے حوالہ کرکے میں اپنے موضوع کی طرف متوجہ ہوتا ہوں،

سب سے پہلے تو اس سلسلہ میں دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ دربار خلافت کے ساتھ تعلق رکھنے والے اطباء کی تعداد کیا ہوگی، جب ہم دیکھتے ہیں کہ عباسی عہد کے امراء بھی اپنے ہاں طبیبوں کی ٹولیوں کو ملازم رکھتے تھے، طبقات الاطباء میں مشہور عباسی امیر ابودلف کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے،

کان مجلس ابی دلف، مجمعا للمتطببین، ‏ ابودلف کی مجلس میں طبیبوں کا مجمع رہتا تھا،

طبیبوں کے اس مجمع میں جو لوگ شریک تھے، ان میں بعضوں کا نام بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ

کان معه من المرتزقة جماعة منهم یوسف بن صلیبا وسلیمان بن داؤد بن بابان ویوسف القصیر ویونس بن حنون، (ج ۱ ص ۱۹۸) ‏ امیر ابودلف کیساتھ تنخواہ یاب اطباء کا ایک گروہ تھا جن میں یوسف بن صلیبا، سلیمان بن داؤد بن بابان، یوسف القصیر (کوتاہ قد) اور یونس بن حنون بھی تھے،

نام ونسب سے ہی معلوم ہو رہا ہے کہ یہ مسلمان نہین تھے، اسی کے بعد بیان کیا ہے، کہ مرسترقہ کے سوا

ربما اجتمعوا فی مجلسه منهم	بسا اوقات (غیر تنخواہ دار اطبا رکن)
عشرون رجلا	بیس بیس آدمی اس کی مجلس مین جمع
	ہو جاتے تھے،

افسوس ہے کہ لوگون نے مفصل فہرست ان طبیبون کی نہین دی ہے، جو مختلف عباسی خلفا کے دربار سے تعلق رکھتے تھے، لیکن اتفاقی طور پر دوسرے واقعات کے تذکرے کے ذیل مین ایسی چیزین مل جاتی ہین، مثلاً ابن ابی اصیبعہ نے مشہور عیسائی طبیب حنین بن اسحاق کے اس رسالہ کو نقل کیا ہے جس مین اس نے اپنی اور بختیشوع طبیب کی باہمی کش مکش اور سازش کی داستان بیان کی ہے، اسی رسالہ مین حنین نے خلیفہ متوکل کے زمانہ کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ ہمارے مخالف اطبا جو ہمارے ہم مذہب یعنی عیسائی ہین، اور خلفا، کی خدمت کا شرف سب کو حاصل ہے، ان کی تعداد،

ستة وخمسون رجلا کلهم	چھپن ہے، اور سب ہمارے ہم
من اهل المذهب، (ص۱۹۳)	مذہب ہین،

ظاہر ہے کہ دربار خلافت کے یہ چھپن طبیب اسی درجہ کے لوگ ہون گے، جو حنین سے ٹکر لینے کی صلاحیت رکھتے تھے، نہین کہا جا سکتا کہ ان کے مددگارون، دوا سازون وغیرہ کی تعداد کیا ہو گی،

یہ اور اسی قسم کی دوسری شہادتون کی بنا پر میرا خیال ہے کہ طب اور علاج ومعالجہ کی راہ سے عباسی دور مین غیر مسلم اقوام سے تعلق رکھنے والون نے اقتدار واثر حاصل کیا تھا، ان کی تعداد معمولی نہ ہو گی، ذرا ممالک محروسہ عباسیہ کی وسعت وفراخی کا تصور کیجئے، اور سوچئے کہ اس وسیع علاقے کے باشندون

کی طبی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے کتنے آدمیوں کی ضرورت تھی، چونکہ اس پیشہ کو مسلمانوں نے غیر مسلم اقوام ہی کے سپرد کر رکھا تھا اس لیے اس پر تعجب نہ ہونا چاہیے کہ اگر عباسیوں کے زمانہ میں طبابت کی راہ سے معاش حاصل کرنے والوں کی تعداد لاکھوں سے متجاوز ہو، یہ خیال بھی صحیح نہ ہوگا کہ اپنی قومی اور دینی خصوصیتوں کو ترک کر کے یا ان سے لاپروائی اختیار کر کے مسلمانوں کے دلوں میں ان لوگوں نے جگہ پیدا کی تھی،
(باقی)

خدمت حدیث مین خواتین کا حصہ

از

حافظ مولوی مجیب اللہ صاحب ندوی

اسلام سے پہلے زندگی کے دوسرے شعبون کی طرح علم وفن کے شعبہ مین بھی خواتین کے کارنامون کا بہت کم سراغ ملتا ہے، خاص طور سے عرب مین تو اس صنف کی حالت اور زیادہ زبون تھی، پورے ملک مین مشکل سے دو چار عورتین پڑھی لکھی مل سکتی تھین لیکن یہ اسلام کی علم پروری کا فیض تھا کہ تھوڑے ہی عرصہ مین مردون کی طرح عورتون مین بھی اس نے ایسا انقلاب پیدا کر دیا کہ ان کی دنیا بدل گئی، اور زندگی کے مختلف شعبون کے ساتھ علم وفن مین بھی انھون نے اپنا ایک مقام پیدا کر لیا، اور اسلام کا یہ چشمۂ فیض عرب ہی تک محدود نہین رہا بلکہ ساری دنیا اس سے سیراب ہوئی،

لیکن سوء اتفاق سے عام طور پر یہ خیال قائم کر لیا گیا ہے کہ گذشتہ زمانہ مین پردہ کی وجہ سے مسلم خواتین زندگی کے کسی شعبہ اور خاص طور سے علم وفن مین کوئی خاص حصہ نہین لے سکین، اور نہ انھون نے کوئی قابل ذکر یادگار چھوڑی، اور اس زمانہ مین بھی ان کی دنیا گھر کی چار دیواری تک محدود ہے، پھر اسی وہم وخیال کے ماتحت یہ نتیجہ نکالا جاتا ہو کہ پردہ مین رہ کر مسلم خواتین کی ترقی ممکن نہین ہو، اس لئے ضرورت ہو کہ ان کو اس قید سے آزاد کر کے میدان عمل مین آنے کی اجازت دیجائے کہ وہ بھی مردون کے دوش بدوش زندگی کی جد وجہد مین حصہ لے سکین، اس وقت اس پر بحث کرنا مقصود نہین ہے کہ ایک صالح معاشرہ کی تعمیر اور مسلم خواتین کی واقعی ترقی پردہ مین رہ کر ہو سکتی ہے، یا اس قید سے آزاد ہو کر، لیکن تاریخ سے مذکورہ بالا خیال کی تائید نہین ہوتی

بلکہ اس کے برعکس یہ پتہ چلتا ہے کہ ابتدائے اسلام سے اس وقت تک سیکڑون ہزارون پردہ نشین مسلم خواتین نے حدودِ شریعت مین رہتے ہوئے گوشۂ علم و فن سے لیکر میدانِ جہاد تک ہر شعبۂ زندگی مین حصہ لیا، اور اسلامی معاشرہ کی تعمیر مین اپنا پورا حق ادا کیا، اس مضمون مین صرف اُن کی علمی کوششون کے ایک گوشہ یعنی علم حدیث کے سلسلہ مین ان کی خدمات کا تذکرہ مقصود ہے،

خواتین نے علم حدیث کی جو خدمات انجام دی ہین، اُن کی سب سے پہلی نمایندگی صحابیات مطہرات کرتی ہین، اس لئے سب سے پہلے انہی کے کارنامون کا اجمالی نقشہ پیش کیا جاتا ہے،

صحابہ کی طرح صحابیات بھی اپنے ذہن و دماغ کے لحاظ سے ایک درجہ اور مرتبہ کی نہین تھین، اور نہ سب کو یکسان طور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نصیب ہوئی تھی، اس لئے اُن کی خدمات بھی اسی اعتبار سے کم و بیش ہون گی، کیونکہ حدیث کی خدمت کے لئے سب سے زیادہ ضرورت صحبت اور فہم و فراست ہی کی تھی، صحابیات مین ازواجِ مطہرات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہر لحاظ سے زیادہ خصوصیت حاصل تھی اس لیے اس سلسلہ مین ان کی خدمات سب سے زیادہ ہین، اُن مین بھی حضرت عائشہؓ اور حضرت اُمِ سلمہؓ کے کارنامے سب سے زیادہ ہین،

حضرت عائشہؓ مکثرین رواۃ صحابہ (یعنی وہ صحابہ جن کی روایات ۰۰۰۰ کثرت سے موجود ہین) مین ہین، ان کی مرویات کی تعداد (۲۲۱۰) ہے، جن مین ۲۸۶ حدیثین بخاری و مسلم مین موجود ہین، مرویات کی کثرت کے لحاظ سے صحابہ مین ان کا چھٹا نمبر ہے،

مرویات کی کثرت کے ساتھ احادیث سے استدلال اور استنباطِ مسائل اُن کے علل و اسباب کی تلاش و تحقیق مین بھی اُن کو خاص امتیاز حاصل تھا اور انکی اس صفت مین بہت کم صحابہ اُن کے شریک تھے، کتب حدیث مین کثرت سے اس کی مثالین موجود ہین، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک روایت متعدد صحابہ سے مروی ہوتی ہے، اور حضرت عائشہؓ بھی وہی روایت کرتی ہین لیکن وہ اپنی روایت مین اس کی علت و حکمت کا بھی تذکرہ کر دیتی ہین

جس سے اس کی افادیت بہت بڑھ جاتی ہے، بلکہ بسا اوقات وہ عمل کے لئے زیادتی شوق کا سبب بنجاتی ہے،
مثلاً غسل جمعہ کے سلسلہ میں حضرت ابوسعید خدریؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ اس
دن غسل کرنا چاہئے، اول الذکر دو صحابی صرف اتنا بیان کرتے ہیں کہ جمعہ کا غسل ضروری ہے، مگر حضرت
عائشہؓ نے اپنی روایت میں اس کی علت و حکمت بھی بیان کردی ہے، فرماتی ہیں،

کان الناس ینتابون من منازلھم	لوگ اپنے اپنے گھروں اور مدینہ کے باہر
والعوالی فیاتون فی الغبار تصیبھم	کی آبادیوں سے نماز کے لئے آتے تھے، اور
الغبار والعرق فیخرج منھم العرق	گرد وغبار اور پسینہ میں شرابور ہوتے تھے
فاتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انسان	ایک دفعہ ایک صاحب آپ کے پاس آئے
منھم وھو عندی فقال النبی صلی اللہ	وہ میرے قریب ہی بیٹھے تھے، آپ نے ان
علیہ وسلم لو انکم تطھرتم لیومکم ھذا	سے فرمایا کہ اگر تم آج کے دن غسل کرلیتے
(بخاری کتاب الجمعہ)	تو کیا بہتر ہوتا،

ایک سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ نہ کھایا جائے، حضرت
عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت ابوسعید خدریؓ نے اسے دائمی حکم سمجھا، حضرت عائشہؓ کو علم ہوا تو آپؓ نے فرمایا، کہ یہ حکم دا
ادوائی نہیں، بلکہ مستحب ہے، اس حکم سے آپ کا مطلب یہ تھا کہ قربانی کا گوشت لوگ جمع نہ کریں، بلکہ
دوسروں کو کھلا پلا دیا کریں[1]،

بعض مرتبہ راوی کو پوری حدیث محفوظ نہیں ہوتی تھی، صرف حدیث کا ایک ٹکڑا یاد رہ جاتا تھا، یا روایت
کے مغز سخن تک نہ پہنچنے کی وجہ سے جب وہ حدیث روایت کی جاتی تھی تو روایت کا پورا مفہوم سامنے نہیں
آتا تھا، بلکہ بسا اوقات معنی بھی بدل جاتے تھے، حضرت عائشہؓ جب بھی ایسی حدیث سنتی تھیں، تو اُن کی تصحیح

[1] سیرت عائشہ ص۱۰۰۔

تردید کر دیتی تھین، اس سلسلہ مین انھون نے اکابر صحابہ تک سے اختلاف یا ان کی روایات پر استدراک کیا ہے، تقریباً ایسی چالیس احادیث ہین جن مین انھون نے صحابہ پر استدراک کیا ہے، امام سیوطی نے ان روایات کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے، اس رسالہ کا نام عین الاصابہ ہے، اس کے دیکھنے سے احادیث مین ان کی دقت نظر اور نکتہ سنجی کا اندازہ ہوتا ہے، توضیح کے لیے دو ایک مثالے پیش کیے جاتے ہین، ایک دفعہ لوگون نے حضرت عائشہؓ سے بیان کیا کہ حضرت ابو ہریرہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہین کہ تین چیزون مین بدشگونی ہے، عورت مین، سواری مین، اور گھر مین، حضرت عائشہؓ نے جب یہ سنا تو فرمایا کہ ابو ہریرہ نے پوری حدیث نہین سنی، پوری حدیث یہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ یہود کو ہلاک کرے وہ کہتے ہین کہ بدشگونی تین چیزون مین ہے، عورت مین، گھوڑے مین اور گھر مین، ابو ہریرہ نے حدیث کا آخری ٹکڑا تو سنا اور پہلا نہین سنا[1]،

بعض صحابہ سے روایت ہے کہ "مردہ پر اس کے گھر والون کے رونے سے عذاب ہوتا ہے" حضرت عائشہؓ نے جب یہ روایت سنی تو فرمایا کہ آنحضرت صلعم نے کبھی یہ نہین فرمایا ہے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ آپ ایک دن ایک یہود کے جنازہ پر سے گذرے، اس کے گھر والے اس کا ماتم کر رہے تھے، آپ نے فرمایا یہ روتے ہین اور اس پر عذاب ہو رہا ہے" یعنی مقصود یہ ہے کہ یہ تو رو رہے ہین، اور مردہ اپنے اعمال کی سزا مین مبتلا ہے، پھر فرمایا کہ ہر شخص اپنے فعل کا جواب دہ ہے، اور استدلال مین یہ آیت تلاوت کی،

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی، اور کوئی کسی دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہین اٹھائیگا،

عین الاصابہ مین اس کی اور بہت سی مثالین ہین، حضرت عائشہؓ سے جن بزرگون نے حدیث مین استفادہ کیا ہے، ان مین بہت سے صحابہ اور کبار تابعین ہین مثلاً عروہ بن زبیر، سعید بن المسیب، عبد اللہ بن عامر، مسروق بن اجدع، عکرمہ، علقمہ، صفیہ بنت شیبہ، عطا بن یسار، یہ چند نام لکھ دیے گئے ہین، ورنہ ان سے

---

[1] عین الاصابہ

روایت کرنے والوں کی تعداد سو سے متجاوز ہے،

ازواج مطہرات میں حضرت عائشہؓ کے بعد ام سلمہؓ ممتاز نظر آتی ہیں، محمد بن لبید کا قول ہے،

کان ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم	ازواج مطہرات کو کثرت سے احادیث یاد تھیں،
یحفظن من حدیث النبی صلی اللہ علیہ	لیکن حضرت عائشہؓ اور ام سلمہؓ سب سے زیادہ
وسلم کثیرًا ولا مثلاً لعائشۃ وام سلمۃ[1]	ممتاز تھیں،

انہیں حدیث سننے کا بیحد شوق تھا، ایک مرتبہ گھر میں بال گندھوا رہی تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے زبان مبارک سے جوں ہی ایھا الناس (اے لوگو) نکلا، آپ نے مشاطہ سے کہا کہ بال باندھ دو، اس نے کہا جلدی کیا ہے، ابھی تو آپ نے ایھا الناس ہی کہا ہے، بولیں کیا خوب ہم آدمیوں میں نہیں ہیں؟ اس کے بعد خود بال باندھ کر اٹھ کھڑی ہوئیں، اور پورا خطبہ سنا،[2]

حضرت عائشہؓ حدیث میں گو خود بلند درجہ رکھتی تھیں لیکن بعض مرتبہ انھیں بھی ام سلمہؓ کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا، حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ عصر کے بعد دو رکعت نفل پڑھتے تھے بعض لوگوں نے اعتراض کیا، تو انھوں نے حضرت عائشہؓ کے واسطے سے حدیث بیان کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تھے، حضرت عائشہؓ کے پاس تصدیق کے لیے آدمی بھیجا گیا، تو انھوں نے فرمایا کہ مجھے یہ حدیث ام سلمہؓ سے پہنچی ہے، حضرت ام سلمہؓ کے پاس آدمی گیا، اور قول نقل کیا، تو فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ عائشہ کی مغفرت کرے، انھوں نے بات نہیں سمجھی، کیا میں نے ان سے یہ نہیں کہا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پڑھنے کی ممانعت فرمائی ہے[3]"،

حضرت ام سلمہؓ کی مرویات کی تعداد (۳۷۸) ہے، ان کے فتاوے بھی کثرت سے ہیں، علامہ ابن قیم نے اعلام الموقعین میں لکھا ہے کہ اگر ان کے فتاوے جمع کیے جائیں تو ایک چھوٹا سا رسالہ تیار ہو سکتا ہے (ص ۱۳)، ان کا شمار محدثین کے تیسرے طبقہ میں ہے، حضرت ام سلمہؓ کے تلامذۂ حدیث میں بے شمار تابعین اور بعض

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۱۲۶، [2] مسند ۶ ص ۳۰۲ [3] بخاری ج ۲ ص ۶۲۲،

صحابہ شامل ہیں، چند مشاہیر کے نام یہ ہیں :-

اسامہ بن زید، سلیمان بن یسار، سعید بن مسیب، عبد اللہ بن رافع، نافع مولی ابن عمر، عروہ بن زبیر، عکرمہ، ابو سلمہ، ابو عثمان النہدی، ہند بنت الحارث، خیرۃ والدۂ حسن بصری، زینب آپ کی صاحبزادی وغیرہ

حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہؓ کے علاوہ دوسری ازواج مطہرات نے بھی حدیث کی روایت اور اشاعت میں حصہ لیا، حضرت حفصہؓ سے مسند میں (۶۰) حدیثیں مروی ہیں، حدیث میں ان سے بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ روایت کرتے ہیں۔ حضرت ام حبیبہؓ سے ۶۵ حدیثیں مروی ہیں اور ان کے تلامذۂ حدیث بھی کچھ کم نہیں ہیں، مثلاً عروہ بن زبیر، زینب بنت ام سلمہ، ابو صالح السمان وغیرہ، حضرت میمونہؓ سے (۴۶) حدیثیں منقول ہیں، ان سے روایت کرنے والوں میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ، عبد الرحمن بن سائب، یزید بن اصم، عطاء ابن یسار وغیرہ ہیں، آنحضرت صلعم کی صاحبزادیوں میں حضرت فاطمہؓ سے بھی متعدد روایتیں مروی ہیں،

عام صحابیات میں مشکل ہی سے کوئی صحابیہ ایسی ہوگی جن سے کوئی نہ کوئی روایت موجود نہ ہو، جن سے متعدد روایتیں موجود ہیں، ان کے نام مع تعداد حدیث یہ ہیں،

حضرت ام الفضلؓ ان سے (۳۰) حدیثیں مروی ہیں، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اور حضرت انس بن مالکؓ وغیرہ ان سے روایت کرتے ہیں، حضرت ام رومانؓ اور ام سلیمؓ سے بھی چند حدیثیں مروی ہیں، ام سلیمؓ سے بڑے بڑے صحابہ مسائل دریافت کرتے تھے، ایک بار کسی مسئلہ میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ میں اختلاف ہوا، تو دونوں بزرگوں نے ان ہی کو حکم مانا[1]، ان دونوں بزرگوں کے علاوہ متعدد صحابہ اور تابعین نے ان سے روایت کی ہے، حضرت ام عمارہؓ اور حضرت ام عطیہؓ سے بھی متعدد روایتیں منقول ہیں، حضرت ام عطیہؓ سے متعدد صحابہ و تابعین مثلاً حضرت انسؓ، محمد بن سیرین، حفصہ بنت سیرین وغیرہ نے روایت کی ہے، صحابہ و تابعین ان سے میت کے نہلانے کا طریقہ سیکھتے تھے[2]، حضرت ربیع بنت مسعود

لہ مسند ج ۶ ص ۴۳۰ سے تہذیب ج ۱۲ ص ۴۵۵

سے (۶۱) حدیثیں صرف مسند میں مروی ہیں، علمی اعتبار سے ان کا پایہ بہت بلند ہے، حضرت عبداللہ بن عباس اور امام زین العابدین ان سے مسائل دریافت کرتے تھے، ان بزرگوں کے علاوہ عائشہ بنت انس، سلیمان ابن یسار، ابو سلمہ، نافع مولی ابن عمر، وغیرہ ان کے رواۃ میں ہیں[1] حضرت ام ہانی گو قدیم الاسلام نہیں تھیں، لیکن ان کی روایت سے (۴۶) حدیثیں مسند میں موجود ہیں، ان کے رواۃ کی تعداد بیس کے قریب ہے، ان میں عبداللہ بن عباس کے علاوہ متعدد اکابر تابعین مثلاً امام شعبی، عروہ بن زبیر، مجاہد، ابن ابی لیلی، عطا بن یسار، کریب، محمد بن عقبہ وغیرہ ہیں،

خانوادۂ صدیقی میں حضرت اسماء بنت عمیس حضرت صدیق کی زوجۂ مکرمہ، اور حضرت اسماء آپ کی صاحبزادی روایت حدیث میں ممتاز تھیں، بلکہ عام صحابیات میں کثرت روایت کے اعتبار سے ان کو سب پر فوقیت حاصل ہے، اسماء بنت عمیس سے (۶۰) حدیثیں اور حضرت اسماء بنت ابی بکر سے (۵۸) حدیثیں مروی ہیں[2] ان سے روایت کرنے والوں کی تعداد بہت کافی ہے، جن میں حضرت عمر، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن زبیر جیسے صحابہ اور سعید بن المسیب، عروہ بن زبیر، فاطمہ بنت علی، ام عون، عبداللہ بن کیسان، صفیہ بنت شیبہ جیسے تابعین اور تابعات شامل ہیں، ان کے علاوہ فاطمہ بنت قیس، تماضر بنت عبداللہ، زینب بنت ابی معاویہ، اسماء بنت یزید، زینب بنت ابی سلمہ و سبیعہ بنت الحارث وغیرہ بھی اس سلسلۃ الذہب میں شامل ہیں،

مسانید صحابیات | صحابیات کی کثرت روایت اور ان کی خدمت حدیث کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے امام احمد بن حنبل نے ایک سو تیس صحابیات کی مسانید جمع کی ہیں، جن کی مجموعی ضخامت ۱۴۴ صفحات ہیں، ان میں کئی ہزار حدیثیں ہیں، حافظ ابن عبد البر نے استیعاب میں ۳۰۹ صحابیات کا تذکرہ لکھا ہے، اسی طرح اسد الغابہ اور اصابہ میں ۵۰۰ سے زائد صحابیات کے تراجم موجود ہیں، اور مشکل ہی سے کوئی صحابیہ

---

[1] اصابہ و مسند [2] اسد الغابہ ج ۵ اور تہذیب ج ۱۲

ہونگی جن سے کوئی روایت نہ موجود ہو، تہذیب میں ۳۳۳ عورتوں کا تذکرہ ہے، جن میں بیشتر صحابیات ہیں، اگر ان تمام صحابیات کی روایتیں جمع کی جائیں تو ان کی مسانید کے لیے کئی جلدیں درکار ہونگی، کاش اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی توفیق دیتا کہ وہ ان کی مسانید کتب احادیث سے چھانٹ کر ایک جگہ جمع کر دیتا تو بڑا مبارک اور مفید کام انجام پا جاتا،

تابعات | صحابیات کی صحبت میں جن خواتین نے پرورش پائی یا ان سے استفادہ کیا ان کو تابعات کہا جاتا ہے، صحابیات کی طرح تابعات نے بھی فن حدیث کی حفاظت و اشاعت اور اس کی روایت اور درس و تدریس میں کافی حصہ لیا، اور بعض نے تو اس فن میں اتنی مہارت بہم پہنچائی کہ بہت سے کبار تابعین نے ان سے اکتساب فیض کیا، چند مشہور تابعات کی خدمات کا تذکرہ کیا جاتا ہے،

حفصہ بنت سیرین، انھوں نے متعدد صحابہ اور تابعین سے روایت کی ہے جن میں انس بن مالکؓ، ام عطیہؓ، ام الرائحؓ، خیرۃ ام الحسن البصری، ابو العالیہ، ربیع بن زیاد وغیرہ ہیں، ان سے روایت کرنے والوں میں ابن عون، خالد الحذاء، قتادہ، ہشام بن حسان وغیرہ تابعین شامل ہیں، جرح و تعدیل کے امام یحییٰ بن معین نے ان کو ثقہ حجۃ فرمایا ہے، ایاس بن معاویہ فرماتے ہیں کہ ما ادرکت احدا افضلہ من حفصۃ میں نے حفصہ سے زیادہ فضل والا کسی کو نہیں پایا، ان کے اس فضل کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ابن ابی داؤد فرماتے ہیں کہ بارہ برس کی عمر میں انھوں نے قرآن و حدیث پڑھ لیا تھا[1]، امام بخاری اور ابوداؤد نے ان کا تذکرہ کیا ہے، ابن حبان نے ان کو ثقہ لکھا ہے[2]، ۱۰۱ھ میں وفات پائی، امام ذہبی نے انھیں حفاظ حدیث کے دوسرے طبقہ میں شامل کیا ہے[3]،

معاذۃ بنت عبد اللہ۔ انھوں نے حضرت عائشہؓ اور حضرت علیؓ اور ام عمرو سے اور ان سے ابو قلابہ، قتادہ، یزید الرشک، ابو عاصم حسن بصری کی والدہ وغیرہ نے روایت کی ہے، یحییٰ بن معین نے

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۱۲ ص ۴۰۹ [2] ایضاً [3] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۹۰

ثقہ و حجۃ کہا ہے، ابن حبان نے بھی توثیق کی ہے، جن احادیث کا انھیں علم تھا ان پر سختی سے عمل بھی کرتی تھیں، ابو بشر بیان کرتے ہیں کہ ایک بار میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا، ان کے پیٹ میں درد تھا، انھوں نے مجھ سے درد کا حال بتایا، بعض لوگوں نے مشورہ دیا کہ کچے گھڑے میں رکھی ہوئی نبیذ ان کو استعمال کرائی جائے، اس میں نشہ آجاتا ہے، چنانچہ میں نے ایک پیالہ نبیذ لاکر ان کے سامنے پیش کیا، انھوں نے نبیذ دیکھ کر مجھ سے مخاطب ہوکر فرمایا، اللہ کی پناہ! تم کو معلوم نہیں کہ حضرت عائشہؓ نے آنحضرت صلعم سے روایت کی ہے کہ آپ نے نبیذ جر سے منع فرمایا ہے، خیر تم نے جو کچھ میرے لیے کیا وہ کافی ہے، خدا کی شان کہ وہ پیالہ الٹ گیا، اور نبیذ زمین پر گر پڑی اور ان کو افاقہ بھی ہو گیا،[1]

عائشہ بنت سعد بن ابی وقاص۔ مشہور صحابی حضرت سعدؓ کی صاحبزادی تھیں، چھ امہات المومنین کو دیکھا تھا، اپنے والد حضرت سعد اور ام ذرؓ سے روایت کی ہے، ان سے روایت کرنے والوں میں ۵۵ تابعین ہیں، امام ذہبی نے ان کا شمار حفاظ حدیث میں کیا ہے، اور تابعین کے تیسرے طبقہ میں ان کو جگہ دی ہے،[2] یہ تنہا خاتون ہیں جن سے امام مالک نے روایت کی ہے،[3] ابن حبان نے ان کو ثقہ لکھا ہے، ۱۱۷ھ میں وفات پائی،

صفیہ بنت عبید۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی اہلیہ تھیں، حضرت عائشہؓ، حضرت حفصہؓ، حضرت ام سلمہؓ، قاسم بن محمد وغیرہ سے روایت کرتی ہیں، ان سے متعدد کبار تابعین مثلاً سالم بن عبداللہ، نافع، عبداللہ بن صفوان وغیرہ نے روایت کی ہے، عجلی نے ان کو تابعیۃ ثقۃ لکھا ہے، ابن حبان نے بھی توثیق کی ہے،[4]

عائشہ بنت طلحہ۔ حضرت ابوبکرؓ کی نواسی تھیں، اپنی خالہ حضرت عائشہؓ سے روایت کرتی ہیں، ان سے جلۂ تابعین نے روایت کی ہے، ابن معین اور ابن حبان نے ان کی توثیق کی ہے، عجلی نے تابعیۃ ثقۃ

---

[1] تہذیب ج ۱۲ ص ۴۰۳ [2] ایضاً ج ۱ ق ۳ و [3] ایضاً ج ۱۲ ص ۴۳۴ [4] ایضاً ص ۴۳۰

ثقہ لکھتے ہیں، ابو زرعہ فرماتے ہیں کہ ان کے فضل کی وجہ سے بہت سے لوگوں نے ان سے روایت کی ہے ا۔ اور اہل علم ان کا ادب کرتے تھے۔[۲]

عمرۃ بنت عبد الرحمٰن۔ یہ حضرت عائشہؓ کی خاص تربیت یافتہ اور ان کی احادیث کی امین تھیں، ابن حبان کا قول ہے کہ کانت من اعلم الناس بحدیث عائشۃ (حضرت عائشہؓ کی احادیث کی سب سے بڑی جاننے والی تھیں) ابن المدینی فرماتے ہیں "حضرت عائشہؓ کی حدیثوں میں سب سے زیادہ قابل اعتماد احادیث عمرۃ، قاسم اور عروہ کی ہیں"۔[۳] عمرہ کے بھائی محمد بن عبد الرحمٰن فرماتے ہیں کہ مجھ سے عمر بن عبد العزیز نے فرمایا کہ ما بقی احد اعلم بحدیث عائشۃ (اس وقت حضرت عائشہؓ کی احادیث کا ان سے بڑا جاننے والا کوئی موجود نہیں ہے) حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے ابن حزم کو خاص طور سے لکھا تھا "عمرۃ کی تمام احادیث ان کے لیے لکھ لیں"، ابن سعد نے انکو "عالمۃ" لکھا ہے[۴] امام ذہبی نے ان کو تابعین کے تیسرے طبقہ میں شمار کیا ہے[۵] اور ان کو "فقیہۃ" لکھا ہے، ابن معین نے انکی شان میں ثقۃ حجۃ اور عجلی نے تابعۃ ثقۃ اور ابن المدینی نے احد الثقات العلماء[۶] کے الفاظ استعمال کیے ہیں،

حضرت عائشہؓ کے علاوہ دوسرے صحابہ سے بھی انھوں نے روایتیں کی ہیں، ان سے روایت کرنے والوں میں ۱۳ سے زیادہ کبار تابعین ہیں، ۱۰۳ھ یا ۱۰۶ھ میں وفات پائی،[۷]

فاطمہ بنت المنذر حضرت زبیر بن العوام کی پوتی مشہور تابعی ہشام بن عروہ کی بیوی تھیں، انھوں نے متعدد صحابیات و تابعیات مثلاً حضرت اسماء، حضرت ام سلمہ ام المومنین اور عمرۃ بنت عبد الرحمٰن وغیرہ سے روایت کی ہے، اپنے علم و فضل کے باوجود ہشام بن عروہ نے ان سے روایت کی ہے عجلی نے انکے بارے میں مدنیۃ تابعیۃ ثقۃ لکھا ہے، اور ابن حبان نے بھی توثیق کی ہے۔[۸]

قمیر بنت عمرو مشہور محدث مسروق بن الاجدع کی بیوی ہیں، انھوں نے حضرت عائشہؓ اور اپنے شوہر مسروق سے روایت کی ہے،

---

[۱] تہذیب ج ۱۲ ص ۴۳۴ [۲] ایضاً [۳] ایضاً [۴] ایضاً [۵] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۹۴ [۶] تہذیب ج ۱۲ ص ۴۳۸ [۷] ایضاً [۸] ایضاً ص ۴۴۴

ان کی روایت کرنے والوں میں امام شعبی، محمد بن سیرین، مقدام بن شریح اور عبد اللہ بن شبرمہ وغیرہ کبار تابعین ہیں، ابو داؤد اور نسائی میں ان کی روایات موجود ہیں، عجلی نے تابعیہ ثقہ لکھا ہے[1]،

ام الدرداء صغریٰؓ۔ حضرت ابو درداؓ کی بیوی تھیں، اور عمر میں ان سے بہت چھوٹی تھیں، یہ یتیم تھیں حضرت ابو درداؓ نے ان کی پرورش کی تھی، اور وہ چھوٹی ہی عمر سے ہر وقت حضرت ابو درداؓ کے ساتھ رہتی تھیں، اور ان کے ساتھ صحابہ کی مجلسوں میں شریک ہوتی تھیں، ان ہی کی تربیت کا فیض تھا کہ تابعین کے دوسرے طبقہ میں شمار کی جاتی ہیں، انھوں نے حضرت سلمان فارسیؓ، حضرت ابو ہریرہؓ فضالہ بن عبید اور حضرت عائشہؓ وغیرہ کے علاوہ ام الدرداء الکبریٰ صحابیہؓ سے کثرت سے روایت کرتی ہیں، حافظ ابن حجر نے لکھا ہے،

وھی تروی عنھا الحدیث الکثیر[2] — یہ ام الدرداء کبریٰ سے بہت کثرت سے حدیثیں روایت کرتی ہیں

(تہذیب ج ۲ ص ۴۶۶)

ان سے روایت کرنے والوں میں تقریباً بیس[2] تابعین ہیں جن میں زید بن اسلم، مکحول الشامی، مرزوق التیمی اور عون بن عبد اللہ وغیرہ ہیں،

خیرۃؓ حضرت حسن بصری کی والدہ ہیں، یہ حضرت ام سلمہؓ کی لونڈی تھیں، اور ان ہی سے استفادۂ حدیث بھی کیا تھا، حضرت عائشہؓ سے بھی روایت کرتی ہیں، ان سے ان کے دونوں صاحبزادے حسن اور سعید اور علی بن زید، حفصہ بنت سیرین وغیرہ روایت کرتے ہیں،

ان مذکورۂ بالا تابعات کے علاوہ بے شمار تابعات ہیں جنھوں نے اس فن کی ترقی و اشاعت میں حصہ لیا ہے، چند نام یہاں درج کیے جاتے ہیں،

جلدہ بنت مصفح، جسرہ بنت دجاجہ، جمیلہ بنت وائلہ، حبابہ بنت عجلان، حلیہ بنت میسرہ،

---

[1] تہذیب ج ۱۲ ص ۴۶۴ [2] ایضاً

حفصہ مخزومیہ، زینب بنت ابوسعید خدریؓ، صفیہ بنت الحارث، صفیہ بنت شیبہ، الرباب، حفصہ بنت عبد الرحمن بن ابی بکرؓ، زرفرہ، رمیثہ، فاطمہ بنت حسین، فاطمہ بنت علی، ام بلال، کریمہ بنت المحساس وغیرہ، یہ وہ تابعات ہیں جنھوں نے متعدد صحابہ سے روایتیں کی ہیں، اور ان سے صحاح میں روایات موجود ہیں، اور ائمہ جرح و تعدیل نے ان کی توثیق کی ہے،

ہم نے زیادہ تر ان تابعات کا تذکرہ کیا ہے جن کا تذکرہ تہذیب یا تذکرۃ الحفاظ میں ہے، ورنہ ان تابعات کی تعداد جنھوں نے روایت حدیث میں حصہ لیا، اس سے بہت زیادہ ہے، صرف ابن سعد نے ۹۳ تابعات کا تذکرہ کیا ہے، اصابہ میں تیسری اور چوتھی قسم میں جن خواتین کا تذکرہ ہے تقریباً ان سب کا شمار تابعات میں ہے، اور ان کی مجموعی تعداد دو سو سے زیادہ ہے،

تابعات کے بعد دوسری صدی کے آخر اور تیسری صدی میں بھی بے شمار خواتین نے علم حدیث کی روایت اور اس کی ترقی و اشاعت میں حصہ لیا لیکن افسوس ہے کہ ان صدیوں میں خواتین کے کارناموں کے سلسلہ میں جو کتابیں لکھی گئیں وہ سب ناپید ہیں، مثلاً ابن مندہ متوفی ۳۹۵ھ، ابن عبد البر متوفی ۴۶۳ھ، ابو موسیٰ اصفہانی متوفی ۵۸۱ھ کی کتابیں اور خصوصیت سے ابن اثیر جزری کی تاریخ النساء وغیرہ، تاہم جن کا تذکرہ متداول کتابوں میں ملتا ہے ان کا ذکر کیا جاتا ہے،

دوسری صدی کے آخر اور تیسری صدی میں بھی جن خواتین نے علم حدیث کی روایت اور اسکی ترویج و اشاعت میں حصہ لیا ان کے نام اور کارنامے حسب ذیل ہیں،

ام عمر۔ حسان بن زید تابعی کی صاحبزادی تھیں، انھوں نے اپنے والد اور اپنے شوہر یحییٰ بن سعید سے متعدد روایتیں کی ہیں، اور ان سے روایت کرنے والوں میں امام احمد بن حنبل، ابو ابراہیم محمد بن الصباح، ابراہیم بن عبد اللہ، علی بن مسلم وغیرہ ہیں، ان کے والد نے حضرت علیؓ کو دیکھا تھا، چنانچہ اس سلسلہ میں انھوں نے اپنے والد کی روایت سے حضرت علیؓ کے متعلق یہ نقل کیا ہے کہ ایک دن

آپ خطبہ دے رہے تھے، اور بلند آواز سے لوگون کو مخاطب کرکے کہہ رہے تھے کہ لوگو! تم نے میرے اور عثمان بن عفانؓ کے بارے مین عجیب عجیب باتین مشہور کر رکھی ہین لیکن ہمارا اوران کا حال بالکل وہی ہے جو نقشہ قرآن نے اہل جنت کا کھینچا ہے، پھر یہ آیت پڑھی،

ونزعنا ما فی صدورھم من	اوران کے دلون مین جو کینہ تھا ہم وہ
غلٍ اخواناً علی سرر متقابلین[۱]	سب دور کردین گے، اورسب بھائی بھائی
	کی طرح تختون پر آمنے سامنے بیٹھے ہون گے،

امام جرح و تعدیل یحییٰ بن معین ام عمر کے بارے میں فرماتے ہین کہ دار معاذ مین مین نے اُن سے سماع کیا ہے، ان مین کوئی خاص بات نہین ہے مگر میرے بہت سے اصحاب اُن سے روایت کرتے ہین[۲]،

زینب بنت سلیمان الہاشمیہ :- یہ اس خانوادہ کی چشم و چراغ تھین جس کے چشمۂ فیض سے ایک دنیا سیراب ہوئی یعنی ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی پرپوتی تھین، اُن کے والد سلیمان کا شمار حفاظ حدیث مین تھا، انہی کی تربیت کا اثر تھا کہ زینب کو علم حدیث سے لگاؤ پیدا ہوا، ان سے متعدد اتباع تابعین نے روایت کی ہے، مثلاً قاضی جعفر بن عبداللہ، عاصم بن علی، احمد بن خلیل وغیرہ خطیب اُن کی روایت سے متعدد احادیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہین،

من افاضل النساء (جلد ۱۴ ص ۴۳۴)	خواتین مین نہایت فاضلہ تھین،

خلفاء تک ان کا احترام اوران کی عظمت کرتے تھے، چنانچہ ہارون جب کا معمول تھا کہ پردۂ شاہی کے اوٹ سے گفتگو کرتا تھا لیکن جب زینب پہنچی تھین تو پردہ ہٹا دیا جاتا تھا[۳]،

اُن کے علاوہ اسی خانوادہ کی انہی کی ہم نام ایک دوسری زینب بھی تھین جن سے کوئی مرفوع حدیث تو مروی نہین ہے لیکن اپنے والد کی سند سے عبداللہ بن عباسؓ کے دو ایک اثر کی روایت کرتی ہین،

---

[۱] تاریخ بغداد جلد ۱۴ ص ۴۳۴ [۲] ایضاً ج ۱۴ ص ۴۳۴ [۳] ایضاً صفحہ ۴۳۴،

عبدہ بنت خالد بن معدان حمص کی رہنے والی تھیں، خالد بن معدان مشہور تابعی ہیں، یہ انہی کی صاحبزادی ہیں، اپنے والد سے روایت کرتی ہیں، افسوس ہے کہ ان کے حالات متداول کتابوں میں نہیں ملتے، تہذیب میں ان کے والد کے تذکرہ کے سلسلہ میں یہ واقعہ درج ہے کہ امام اوزاعی خالد بن معدان کا بڑا ادب و احترام کرتے تھے، ان کی وفات کے بعد انھوں نے اپنے تلامذہ سے دریافت کیا کہ ان کی اولاد میں کوئی ہے؟ لوگوں نے عبدہ کا نام لیا انھوں نے کہا کہ جاکر ان سے خالد کے حالات دریافت کرو چنانچہ ایسا ہی کیا گیا،[1]

عبدہ بنت عبدالرحمن بغدادیہ، ان کا نسبی تعلق ابو قتادہ انصاریؓ کے خانوادہ سے تھا، یہ حضرت ابو قتادہ کی پر پوتی ہیں، اپنے والد عبدالرحمن سے روایت کرتی ہیں، ان سے روایت کرنے والوں میں محمد بن مخلد سلیمان بن احمد غیرہ شامل ہیں، ابو القاسم طبرانی نے ان سے چند مرفوع احادیث نقل کی ہیں، ان کے نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ یہ احادیث حضرت ابو قتادہؓ کی اولاد ہی سے مروی ہیں، اور میں نے ان احادیث کو عبدہ کے علاوہ کسی سے نہیں سنا ہے، اس کے بعد فرماتے ہیں:۔

وکانت امرأۃ عاقلۃ فصیحۃ متدینۃ	یہ ایک عاقل، فصیح البیان اور حدیث کی روایت میں متدین تھیں،

(تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۴۴۴)

خدیجہ ام محمد، انھوں نے امام احمد بن حنبل سے سماع کیا تھا، اور ان سے روایت بھی کرتی ہیں، امام احمد کے علاوہ یزید بن ہارون اسحاق بن یوسف اور ہاشم بن القاسم سے روایت کرتی ہیں، امام احمد کے صاحبزادے عبداللہ ان سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ

کانت تجیٔ الی ابی تسمع	میرے والد (امام احمد) کے پاس سماع کے لئے آتی تھیں،

خطیب نے ام محمد کی سند سے ام درداء کا ایک اثر نقل کیا ہے جس کے ایک راوی عبداللہ ہیں، وہ اثر یہ ہے،

[1] تہذیب ج ۳ ص ۱۱۹،

حدثنا عبد اللہ بن احمد قال حدثتنی خدیجۃ ام محمد سنۃ ست وعشرین

ومائتین قالت حدثنا اسحاق الازرق حدثنا المسعودی عن عون بن

عبد اللہ، قال کنا نجلس الی ام الدرداء فنذکر اللہ عندھا فقالوا لعلنا قد

امللناکِ؟ قالت تزعمون انکم قد امللتمونی فقد طلبت العبادۃ فی کل

شیئٍ فما وجدت شیئاً اشفی لصدری ولا احری ان اصیب بہ الذی ارید

من مجالس الذکر (تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۴۳۲)

سنہ ۲۲۶ھ کے بعد تک زندہ ہیں،

یہ ذوق صرف آزاد خواتین ہی تک محدود نہیں تھا، بلکہ اس میں لونڈیاں اور باندیاں بھی شریک تھیں

امام محمد کے پاس متعدد لونڈیاں، رات کے وقت اکر تحصیل حدیث کرتی تھیں ابراہیم بن سعد ایک حافظ

حدیث گذرے ہیں، اُن سے ایکبار مسند ابو بکر کے متعلق سوال کیا گیا، تو انھوں نے اپنی لونڈی سے فرمایا، کہ

مسند ابو بکر کی ۲۳ ویں جلد نکال لاؤ، اس سے ان کے علم حدیث کی واقفیت اور ذوق کا اندازہ ہوتا ہے،

سمانہ بنت حمدان، تیسری صدی کے اخیر میں دضاح بن حسان ایک محدث گذرے ہیں، جنھوں نے

حدیث میں ایک تحریری یادگار بھی چھوڑی ہے، سمانہ انہی کی نواسی ہیں، وہ اپنے نانا سے روایت کرتی ہیں

اُن سے روایت کرنے والوں میں ابو بکر الشافعی اور ابو القاسم طبرانی ہیں خطیب نے اُن سے متعدد روایتیں

نقل کی ہیں،[1]

اسی صدی کے آخر میں ایک خاتون فاطمہ بنت محمد بھی تھیں جنھوں نے حدیث کی خدمت میں حصہ

لیا، اُن کی زندگی نہایت ہی زاہدانہ تھی، وہ مصلے ہی پر سوتی تھیں، سنہ ۳۱۲ھ میں وفات پائی،

(باقی)

---

[1] تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۴۴۱،

تاریخ یمن کا ایک ورق

از

مولانا ابو الجلال ندوی

(۳)

اقوام یہ عجیب بات ہے کہ یہ کتبہ اگرچہ حضرموت میں ملا لیکن اطرافِ حضرموت کے اماکن میں سے ایک مقام کا بھی ذکر اس میں نہیں ہے یہ تحریر یقینی طور پر یمن کے باشندوں اور ان کے حلفا اور اقربا میں سے کسی ایک کی ہے اس میں جن قوموں کے نام ہیں، وہ یہ ہیں،

حمیر حمیر ایک مشہور قبیلہ کا نام ہے، کتبہ کے ایام تحریر میں اسی قبیلہ کی حکومت تھی، کتبہ اس قوم کے مخالفین کا ہے،

قہات بنو اسرائیل کے ایک سبط کا نام لاوی ہے، اس سبط کی ایک شاخ کا نام قہات ہے، حضرت ہارون اور حضرت موسیٰ علیہما السلام اسی خاندان کے افراد تھے، اس کتبہ میں قہات کا ذکر سینا کے باشندوں، یسار کے معاونوں اور باشندگانِ یمن کے دشمنوں کی حیثیت سے آیا ہے،

مہرہ بنو قضاعہ کی ایک شاخ کا نام جو یمن میں رہتی تھی، اس قوم کو اس کتبہ کے اندر مذکور جنگ کے انجام سے بہت خوشی ہوئی تھی، فاکر کی تشریح سے ظاہر ہے کہ وہاں کے باشندے بنو عذرہ تھے، یہ مہرہ کی طرح بنو قضاعہ کی ایک شاخ ہیں، مہرہ کو جنگ کے انجام کی جو خوشی ہوئی تھی، اس کی وجہ ایک یہ بھی تھی کہ وہ بنو عذرہ کے ہم خاندان تھے،

زندنوذ زندنوذ دو ناموں کا مجموعہ ہے نوذ سے مراد وہی ارضِ نود ہے جس کا ذکر فرزندانِ آدم کے تورات

قصہ میں آیا ہے زودتوراۃ کے مطابق بنو قین کا علاقہ ہے ارض نود کے مقام کی تعیین طویل بحث کی مقتضی ہے لیکن مختصراً اتنا کہنا کافی ہے کہ مدین کا علاقہ دراصل علاقہ بنو قین تھا، یہود مدینہ میں سے ایک گروہ بنو قینقاع تھا، یہ نام قامدمین کا مقلوب ہے، اس لئے نوذکو مین اور شاس اور عاکہ کے علاقہ سے تطبیق دینا بے جا نہ ہوگا، زند نوذ اسی علاقہ میں بسنے والی ایک قوم کا نام ہے، عدنان کے نسب نامہ میں ایک نام زند بن عر می ابن اعراق الثری کا نام آتا ہے (تاج العروس) زند نوذ سے مراد اطراف یمن میں بسنے والے بنو عدنان ہیں جن کو اس کتبہ کے اندر مذکورہ جنگ کے انجام سے خوشی ہوئی،

کرذا کرذ کو کرد سمجھنا چاہئے، اس کتبہ کے بیان کے مطابق یمن والوں نے شاہی نوکر سیل کی ناک اور اس کے کان کاٹ لئے جس کے انتقام کے لئے سبا سے یسار اور یمن سے ذو یاسیل فوج لے کر بڑھے لیکن ان دونوں فوجوں نے شکست کھائی تب شاہ یمن نے اہل حبش کو خوش کیا اور حبش والوں نے شاہ یمن کی نوکری کرلی لیکن کرذ نے جن کے سردار کا نام تنوذ تھا، نیز نبو داشح نے جنگ کی، اور اہل حبش کی امداد سے ذو نوش اور ذو شرح کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا، حکومت یمن پر تنوذ نے قبضہ کرلیا،

کرد ایک عجمی قوم کا نام ہے جن کے کچھ افراد یمن میں بستے تھے، ان ہی کردوں کی بابت نشوان نے لکھا ہے، کہ

یقال انھم من الازد، قال	کہتے ہیں کرد وہ بنو ازد میں سے ہیں شاعر
لعمرك ما کرد من ابناء فارس	نے کہا قسم ہے کرد فارس کے بیٹے نہیں
ولکنہ کرد بن عمرو بن عامر	بلکہ عمرو بن عامر کی اولاد ہیں نیز کہا شاعر نے
وقال لعمرك ما کرد بن عمرو بن عامر	قسم ہے عمرو بن عامر کا بیٹا کرد عجمی نہیں تھا،
بعجم ولکن خالط العجم فاعجم	البتہ اہل عجم کے ساتھ رہنے سہنے کی وجہ سے عجمی ہو گیا تھا،

قسبتهم الشعراء الی الیمن ثم شعراء ان کو یمن پھر ازد کی طرف منسوب
الی الازد، کرتے ہین،

یمنی کرد تھے تو نیز غیر عرب مگر بنو ازد مین شمار ہوتے تھے، ذیل ہونے کی حیثیت سے یہ انصار مدینہ کو
نیز بنو خزاعہ کو جن کی ایک شاخ یمن مین بستی تھی، اپنا ہم نسب بتاتے ہونگے،

واشح | بنو داشح بن الحرث، یہ بنو ازد کی ایک شاخ تھے،

رجال کتبہ | اماکن واقوام کے بعد ایک نظر رجال کتبہ پر بھی ڈال لینا مناسب ہوگا، اس کے بعد کتبہ کا
مضمون آئینہ ہوجائے گا،

سمیق | پہلا نام اس کتبہ مین سمیق کا ہے، اس کی بابت ہم صرف اتنا جانتے ہین کہ سموق درخت اور
نبات کے طویل ہونے کو کہتے ہین، سمیق کا مفہوم طویل ہے، یہ شخص کون تھا اس کا عہد کیا تھا، اس کے متعلق
ہم کچھ نہین کہہ سکتے،

ذو ذین | حصن غراب کے سہ سطری مختصر کتبہ کے نیچے اس شخص کا سماتی دستخط موجود ہے، معارف مئی ۱۹۲۵ء
ہم بتا چکے ہین کہ یہ شخص ذو شرح کا چچا تھا، ذو کے معنی ہین صاحب اور ——— ن ایک مصری لفظ ہے
جس کا مطلب پانی دینا ہے لفظی مفہوم اس لقب کا ہے "رئیس محکمہ آب رسانی" اس لقب کے اور معانی بھی
ہوسکتے ہین مثلاً ذو ذن (مچھلی والا) ذو نون (صاحب لسیف) ذو نون (صاحب الدواۃ) لیکن کتبہ کے اندر
چونکہ زراعت کے مرجھانے کی ذمہ داری سمیق، ذو ذین اور ذو شرح کی تباہ کاری پر عائد کی گئی ہے اس لئے
اس لقب کا مناسب تر مفہوم رئیس محکمہ آب رسانی ہی ہوسکتا ہے،

شرح ذو | یہ نام کتبہ مین دوبارآیا ہے، یہی عربی روایات کا ذو شرح ہے سیف بن ذویزن سے امیہ بن
ابی الصلت نے غمدان کی بابت کہا،

قصر بناه ابوک القیل ذو شرح

اس مصرع میں ذوشرح کو "اقیل" کہا گیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ یہ بادشاہ میں نہیں تھا البتہ کسی تبع کے ماتحت امیروں میں سے ایک امیر تھا، عربی میں ذوشرح مشہور ہے، اس کتبہ میں ذو کا لفظ شرح سے مؤخر ہے تاج العروس میں ہو کہ

قال ابو عمرو والشارح الحافظ وھو	ابو عمرو نے کہا شارح حافظ کہتے ہیں، اہل
فی کلام اھل الیمن حافظ الزرع	یمن کی بولی میں شارح وہ ہے جو کھیتوں
من الطیور	سے چڑیوں کو اڑاتا ہے،

شَرَحَ کے معنی ہیں "اس نے زراعت کی رکھوالی کی" ذوشرح کے معنی ہیں "محکمۂ زراعت کا رئیس اعلیٰ" اس لقب کے بہتیرے افراد گذرے ہوں گے، عربی روایات کے مطابق یہ ملکہ بلقیس کے باپ یا دادا کا یا اس کے دادا کا لقب تھا، اس کتبہ کا سنہ تحریر پچھلے مضمون میں ۲۳۰ء بتایا جا چکا ہے، یہ سنہ ہم کو بتاتا ہو کہ حبش کے بادشاہ اذینۃ الصباح کی ہمعصر ملکہ بلقیس کے باپ یا دادا سے اس ذوشرح کو تعلیق دینا چاہئے،

یسل | اس کتبہ کی اہم ترین شخصیت کا نام ہے تاج العروس میں ہے،

الیسل اھملہ الجوھری وصاحب	جوہری صاحب صحاح اور صاحب لسان
اللسان وقال الزبیر بن بکار ھو	نے یسل کا ذکر نہیں کیا، مگر زبیر بن بکار
یدمن قریش الظواھر قال و	کا کہنا ہے کہ یسل اور یسل قریش ظواہر کے
بالیاء الموحدۃ الید الاخری	دو بازو تھے، بنو عامر بن لوی کو یسل بے
اعنی بنی عامر بن لوی ھکذا	کہا جاتا تھا، اس کی خبر مجھے (زبیر کو)
حدثنی محمد بن الحسن کما اتی العباب	محمد بن حسن نے دی جیسا کہ العباب میں ہے
وقد تقدم ذکر الیسل فی موضعہ،	(ج ۷ ص ۲۳۹)

البسل لقب بنی عامر بن لوئی
هکذا ابل عوق وکانوا ایمانین
والیسل الاخر بنی الیسل بالشنا
ثمت قاله الزبیر بن بکار عن
محمد بن الحسن بکذ اهوفی العباب
ونقله الحافظ فی التبصیر ولکنه
عکس القضیة ، (ب س ل) نقال
الیسل بالتحتیة بنو عامر بن لوی
والبا قون بموحدة ، (ی س ل)

بسل بنو عامر بن لوی کا لقب ہے، ان کا یہی
دعوی ہے، وہ دوبازو تھے، دوسرے بازو
کو یسل (ی سے) کہتے تھے، زبیر بن بکار نے
محمد بن الحسن سے اس کی روایت کی، العباب
مین یونہی وارد ہے، حافظ ابن حجر نے تبصیر مین یہ قول
نقل کرتے ہوئے بات الٹ دی ہے یسل
کو بنو عامر اور ان کے غیر کو بسل بنا دیا،

اس سے معلوم ہوا کہ بنو عامر بن لوی یا اُن کے ہم جد کسی خاندان قریش اور اس کے مورث کو یسل کہا جاتا تھا، اس کتبہ مین اسی قرشی کا ذکر ہے، جو یسل کہلاتا تھا،

یسار اس کتبہ مین یسل پر یہ الزام عائد کیا گیا ہے کہ اُس نے یمن کے مقام مین ایک پاکباز بھولی بھالی لڑکی کی آبرو لینی چاہی جس کی سزا اُسے یہ دی گئی کہ یمن کی عورتون نے اس کی ناک اور کان کاٹ لئے اور اس پر برہم ہوکر یمن کی سمت سے ذو یابل نے احصین اور سینا سے ایک شخص یسرمانے مین والون پر چڑھائی کردی یسماکے نام مین جو مالگا ہوا ہے اس کی حقیقت براقد ما کے تذکرہ (معارف مئی ۱۹۵۰ء) مین بتائی جا چکی ہے، اصل نام یسر رہ گیا ہے یاسر اور یسار کا مخفف قرار دیا جا سکتا ہے ہم نے اسے یاسر کے بجائے یسار سے تطبیق دی جس کی وجہ یہ ہو کہ جن لوگون نے یسل کی توہین کا انتقام لینے والون سے جنگ کی ان مین بنو مرہ اور باشندگان حائد بھی تھے جو کہ بنو قضاعہ مین سے تھے، بنو قضاعہ کا ایک گروہ اپنے کو قریش کا ہم خاندان یعنی بنو عدنان مین خیال کرتا تھا، ایک گروہ قضاعہ کو بنو حمیر مین گنتا تھا خود کو حمیری بتانے والے بنو قضاعہ

پر ایک دوسرا قضاعی شاعر اعتراض کرتا ہے،

اذ نبّتم عجوزکم وصانت قد یثما لا یشمّ لہا خمار

کیا اپنی مورتہ کو بد کار بتاتے ہو جس کی اوڑھنی سونگھی نہین جاتی تھی،

عجوز لو دنا منہا یمان للاقی مثل ملاقی یسار

ایسی بڑھیا کہ اگر کوئی یمنی اس کے پاس جاتا تو اس کا انجام یسار کا سا ہوتا

اس سے ظاہر ہے کہ یہ کتبہ جو الزام بسیل پر لگاتا ہے اور اس کا جو مآل بتاتا ہے تقریبًا وہی الزام روایت بسیل کی بجائے اس کے معین دمہ دگار یسرا پر لگا کر اس کا وہی انجام بتاتی تھی جو کتبہ مین مذکور ہے،

ذو یالیل | جوہری نے لکھا ہے کہ یالیل ایک شخص کا نام ہے، سید مرتضیٰ زبیدی صاحب تاج العروس کہتے ہین کہ یہ غلط ہے، یالیل ایک بت کا نام تھا، جیسا کہ عبد یالیل کے نام سے ظاہر ہے، ذو یالیل ایک مذہبی لقب معلوم ہوتا ہے، یالیل نام کے دیوتا کے مندر کا محافظ ذو یالیل تھا،

یمن والون پر بسیل کی توہین کا بدلا لینے کے لئے دو شخصون نے چڑھائی کی، ایک نے جنوب سے ایک نے شمال سے، جنوبی حملہ آور ذو یالیل کا نام بتاتا ہے کہ یہ ایک بت پرست رئیس تھا، شمال کی فوج کا رئیس علی یسرا تھا، اور اسکی فوج مین قہات یعنی یہود کا مذہبی گروہ شامل تھا، گویا یمن والون کے برخلاف موحدین اور مشرکین کے دو گروہ متحد ہو گئے، خود یمن والون کا مذہب ان دونون کیا تھا، اس کا اس کتبہ سے پتہ نہین چلتا،

ریاح | ذو یالیل کے بعد ایک نام ریحا ملتا ہے جیسرا اور یسرا کے نامون کی طرح ا کے حذف کے بعد یہ نام ریح رہ جاتا ہے جو عربی کے متداول لہجہ مین بنو ریاح بن یربوع بن حنظلہ بن مالک بن زید مناۃ ابن تمیم کے مورث یا اس کے ہم نام کسی شخص کا علم ہو، ایک یربوعی شاعر کہتا ہے

ولکن لی علیات قد یو محبد دعالی مفخر صعب السّلوک

بیریوع وغلب بن بنیہ لھم کانت روافات الملوك

یعنی یریوع اور اس کے فرزندوں کی بدولت جن کو روافتِ ملوک کا شرف حاصل تھا مجھے یہ بزرگی حاصل ہوا اس کتبہ میں نبو یریوع ہی جیسی عظمت رکھنے والے ایک ریاح کا ذکر ہے،

الروف جلیس الملك عن یمینہ	روف بادشاہ کے ہمنشین راست کو کہتے
اذا شرب یشرب بعدہ قبل	تھے، بادشاہ جب شراب پیتا تو بادشاہ
الناس ویخیفہ علی الناس اذا	کے بعد اور سب سے پہلے روف پیتا، اور
غزا ویقعد موضع الملك حتی	بادشاہ جب غزوہ پر جاتا تو وہ اس
ینصرف واذا عادت کتیبۃ الملك	کی جگہ قائم مقامی کرتا یہاں تک کہ بادشاہ
اخذ الروف المرباع،	واپس آجاتا تھا، بادشاہ کی فوج جب واپس آجاتی تو روف چوتھ وصول کرتا تھا،

روف کا جو کام تھا وہی اس کتبہ میں ریاح کا نظر آتا ہے جس کا لقب ہے ذونقیۃ، یہ لفظ دو لفظوں سے مرکب ہے، (۱) ذو یعنی وہ شخص (۲) یقیۃ یعنی یقیتوا الملوک یعنی بادشاہوں کی خدمت کرتا ہے،

اس کتبہ کے اندر مذکور ریاح کو کتبہ نویس کی قوم نے اس وقت نہایت ذلیل کرکے اپنے علاقہ سے نکال دیا، جب کہ حاکہ، شاس، اور میں میں یسار اور ذو یالیل کی فوجوں نے شکست کھائی اور ریاح کے اس انجام کو دیکھ کر قوم جہرہ اور رزندفود کو بے انتہا خوشی ہوئی تھی،

ذوخوش سمبق، ذوتمین، ذوشمرح، ذو یالیل، یسار اور تسیل میں سے کوئی بھی یمن کا بادشاہ نظر نہیں آتا، یہ سب کے سب بادشاہ کے ماتحت امراء نظر آتے ہیں، کتبہ کے بیان کے مطابق جب یمن کے باشندوں اور اُن کے معاونوں نے بغاوت کردی تھی اس وقت ایک ذونقیۃ جس کا نام ریاح تھا حضرموت میں بادشاہ وقت کی نیابت یا بالفاظ قدیم روافت کے فرائض انجام دے رہا تھا یمن یعنی مدینہ منورہ کے پاس جب

شاہی فوجون نے شکست کھائی، تو حضرموت والون نے بھی شاہ وقت کے ردیف یا قدیم ترلفظون مین ذو یقتہ ریاح کے اپنے علاقہ سے نکال دیا، ذو یقتہ ریاح جس بادشاہ کا ردیف تھا، غالباً اسی کا ذکر ذونوش کے لقب سے آیا ہے، یعنی ذونوش ذو شرح وغیرہ کا بھی بادشاہ ہوگا، جہان تک میرے علم کی رسائی ہے ذونوش لقب رکھنے والے کسی شاہ یمن کا عربی لٹریچر مین ذکر نہین ملتا، البتہ بلقیس بنت ہداد بن (ذو) شرح بن شرحبیل بن ذو سحر کے خاندان مین ایک بادشاہ ذو بوس بن ذو سحر کا نشوان نے ذکر کیا ہے، مگر اس کا زمانہ اس کتبہ کے زمانہ سے بہت پیشتر گذرا ہے لیکن ہوسکتا ہے ذو بوس دراصل ذو نوش ہی کی تصحیف ہو، اور اس کتبہ مین ذو بوس اول کے کسی جانشین کا ذکر ہو، بہرحال ریاح جس کا ذکر اس کتبہ مین ہے، ذو نوش ہی کا ذو یقتہ یعنی روت اور قائم مقام نظر آتا ہو، ذو نوش نے جب دیکھا کہ یمن کا راج جاتا رہا، یمن والون کی بغاوت نے حجاز کو بھی آزاد کرا دیا، حضرموت والون نے ریاح کو لات مار کر اپنے علاقہ سے نکال دیا، تو

ذونوش رضا حبشتا شدسی

ذونوش نے اہل حبش کو راضی کیا اور وہ دوہم ہوگئی

تنوذ | آخری نام اس کتبہ مین ایک شخص تنوذ کا ہے جو اس قوم کرد کا ایک فرد تھا، جو ازد کے خاندان نبو عمرو بن عامر مین دخیل ہو گئے تھے، اس سے زیادہ اس شخص کا حال معلوم نہین اس کتبہ کے مطابق ذونوش نے حبشیون کی امداد حاصل کی تیسر بھی بغاوت فرد نہین ہوئی، بلکہ کرد اور بنو شارح نے مقابلہ کیا جس مین کردون اور بنو شارح کو فتح حاصل ہوئی،

مضمون کتبہ | اماکن، اقوام، اور رجال سب کو پہچان لینے کے بعد اب ایک بار پھر کتبہ پڑھیے تو معلوم ہوگا کہ ۳۳۳ کے ایام مین جب کہ شاہ یمن حضرموت سے لے کر صین یعنی سرحد مصر تک حکومت کرتا تھا، بادشاہ وقت کہین غائب تھا، اسکی جگہ ریاح اس کے فرائض انجام دیتا تھا، یمنی، ذو یقتہ ذو

ذوشرح کی بدانتظامی کی بدولت زراعت مرجھا گئی تھی، ان دنون یسل نام ایک امیر جو کنفرش ظواہر کی ایک شاخ کا مورث تھا، اکال وصول کرنیکے لئے مدینہ کے پاس مین نام ایک وادی مین پہنچا، یہان اُس نے ایک عورت کی آبروریزی کرنی چاہی، عورتون نے اُس کی ناک اور کان کاٹ لئے، اس پر برہم ہوکر سینا سے یوذون کی ایک فوج لیکر یسیارنے اور مین کی طرف سے ذویائیل نے مین والون پر حملہ کردیا لیکن باغیون کو کامیابی ہوئی، جیین کے علاقہ اور حجاز سے اہل یمن کی حکومت اٹھ گئی، حضرموت والون نے بھی ریاح کو اپنے دیار سے نکال دیا، ذوفرش نےجوان دنون شاہ مین تھا، اہل حبش کو راضی کرکے ان کو نوکر رکھا تاکہ کھوئی ہوئی حکومت حاصل ہو، مگر نبودا شیخ، یفوعرہ، اور کردون نے اُن کا مقابلہ کیا، اور یہ کامیاب رہے، اور تو ذکر ذحاکم مین ہوا،

نقوشِ زیرین اس کتبہ کے نیچے دائین طرف دو نقوش ہین، ان کے نیچے دو اور نقوش ہین، جن کے بالمقابل بائین طرف چھ نقوش ہین، ان پر بھی غور کرلینا ضروری ہے نقوش کی کشش اور گہرائی شاہد ہے کہ نقوش زیرین دو مختلف شخصون نے کندہ کئے، جو دو سطری نقوش کے کندہ کار نہین تھے،

فارسٹر کا ادعا فارسٹر کے نزدیک دائین طرف کے نقوش لایعنی ہین، بائین طرف کے چھ نقوش کو طغرا قرار دے کر انھین گیارہ نقوش مین تحلیل کیا ہے، جو حسب ذیل ہے،

[illegible]

ہ ء س ا ہ ا ی س ب س

تشریح کتبہ کے کل (ج ۲ ص ۳۰۱) پر ان نقوش مین سے کسی کی آواز نہین بتائی ہے لیکن ج ۲ صفحہ ۳۰۲ سے ہم نے دس نقوش کی آوازین نقل کی ہین، ۴ کی آواز نہین معلوم پادری صاحب کے ذہن مین کیا تھی، اس نقش کو ج ۲ ص ۳۰۱ کے حاشیہ پر حبشی نقش بتایا ہے، اور اس سے اس تحریر کے زمانہ پر استدلال

کیا ہے کہ اصل کتبہ سے و صہ بعد کی ہے خود اپنی بتائی ہوئی آواز ون کے مطابق انھین پڑھنا چاہئے تھا،

حر ، سا ه ، ا ی سبس

میکی ان نقوش کو انھون نے پڑھا ہے،

Harelh or Hare Ikah The Sabean

ع بسوخت عقل ز حیرت کہ این چہ بوالعجبی است

صحیح قرات | ہمدانی نے اکلیل مین سین کی ایک صورت [illegible] ایسی بتائی ہے، داہنی طرف کے نقش اول اور بائین طرف کا نقش دوم اسی کی بدلی ہوئی صورتین ہین، داہنی طرف کا نقش دوم، اور بائین طرف کا نقش چہارم نشوانی حا [illegible] کی بدلی ہوئی صورت ہے، داہنی طرف کے نقش سوم اور بائین طرف کے نقش پنجم کو علامہ کے علاوہ سب علمائے مندنے کاف خیال کیا ہے،

داہنی طرف کے چوتھے اور بائین طرف کے پہلے نقش کو پادری صاحب نے ہ اور ہ مین تحلیل کیا ہے، درحقیقت یہ نقش [illegible] ایک منجنیکی پر رکھے ہوئے تین چراغون کے فتیلہ سوز کی صورت [illegible] ہے جو روشنی کا مفہوم اور شین کی آواز دیتا ہے، بائین طرف کے پہلے اور تیسرے نقش کو ایک بار پادری صاحب نے [illegible] کی صورت مین اور دوسری بار [illegible] کی صورت مین حل کیا ہے، دراصل [illegible] ایک علامت (نقش زاید) کے اضافہ کیا گیا تھا [illegible] ہے جس کی آواز زاے ہوز کی سی ہے، میرے نزدیک تحریر کی صحیح قرات حسب ذیل ہے،

سَطَ کُش

ذِشْ ذَطْ لَوَش

سوط کے معنی ہین کوڑا، اس سے سواط مشتق ہے، صاحب لسان نے کہا ہے کہ حدیث مین ہے کہ "جہنم مین سب سے پہلے سواط داخل ہون گے، سواط سے مراد وہ سرہنگ ہین جو لوگون کو کوڑے مارتے ہین"،

کوش ایک قوم کا نام ہے جس کا ذکر بائبل مین کثرت سے آیا ہے، انگریزی بائبل مین اس نام کو عموما

(تھوپیا (حبش) سے بدل دیا گیا ہے، کیونکہ جن دنون یونانی مین بائبل کا ترجمہ ہوا، صرف اہلِ حبش خود کو کوش کہتے تھے، اس تحریر مین کوش کو اہلِ حبش کا مرادف سمجھنا چاہئے،

پچھلے مضمون مین بتایا گیا ہے کہ یہ تحریر ۳۳۰ء کی ہے، ۳۲۵ء سے ۳۷۰ء تک یمن اور حضر موت پر اہلِ حبش نے حکومت کی، اہلِ حبش کو ذونوش نے اپنی امداد کے لئے نوکر رکھا تھا، مگر بعد مین وہ خود حاکم بن بیٹھے، ۳۳۰ء اور ۳۷۵ء کے درمیان کسی نے دو سطری کتبہ کے اس مصرعہ کی بنا پر کہ

ذونوش رضا حبشا شسی

ذونوش نے اہلِ حبش کو راضی کیا انھون نے نوکری کر لی۔

دائین طرف کا دو لفظی فقرہ لکھ کر بتایا کہ

کوش نے باغیون کو کوڑے مارے،

زوش عربی مین ذلیل غلام کا مرادف تھا، زیا ما کے معنی ہین شور مچانا جھگڑا کرنا، بائین طرف کے تین لفظ دو سطری کتبہ لکھنے والی قوم کے کسی فرد نے اہلِ حبش کی توہین کے لئے بعد مین کندہ کئے اس کا مطلب یہ ہے،

کوش ایک جھگڑالو ذلیل غلام ہے

ایک قدیم کتبہ | اس کتبہ کی تشریح پر اب مزید لکھنے کی ضرورت نہین رہی لیکن اس سے ایک قدیم روایتی کتبہ کی حقیقت پر روشنی پڑتی ہے، جی چاہتا ہے کہ اس کا بھی اسی جگہ ذکر کر دیا جائے،

تیجان اور اکلیل مین ہے کہ حضرت ہود علیہ السلام کے پاس سے عمرو ذو الاذعار کے زمانہ مین ایک لوح برآمد ہوئی تھی جس پر منقوش تھا،

لمن ملک ذمار؟	ملک ذمار کس کا
لحمیر الاخیار	نیک حمیر کا

لمن ملک ذمار — ملک ذمار کس کا

لحبشة الاشرار — شریر الطبع اہل حبش کا

لمن ملک ذمار — ملک ذمار کس کا

للفارس الاحرار — شریف طینت اہل فارس کا

لمن ملک ذمار — ملک ذمار کس کا

لقریش التجار — تجارت پیشہ قریش کا

یمان اور اکلیل کی روایتیں یہیں ختم ہو جاتی ہیں، یاقوت نے معجم البلدان ذکر ذمار میں اس تحریر کی بابت لکھا ہے کہ جس سال قریش نے کعبہ کی عمارت کو رسنہ ئمین ڈھایا، اس کی بنیاد سے ایک پتھر نکلا جس پر یہی عبارت منقوش تھی آخر میں یہ بھی تھا کہ

ثم حاد محاسر — پھر اپنی جگہ لوٹ گیا،

ظفار کے تذکرہ میں اسی کو ذکر قریش کے حذف اور ذمار کی بجائے ظفار کی بابت نقل کیا ہے، اور لکھا ہے کہ یہ عبارت ظفار کی ایک دیوار پر لکھی تھی، اور (ثم حار محار) کی بجائے یہ منقوش تھا کہ

لحمیر ستحار — عنقریب حمیر کے پاس لوٹے گا،

یہ تینوں روایتیں کچھ نہ کچھ اصلیت رکھتی ہیں، ظفار کا کتبہ خانہ کعبہ والے پتھر سے قدیم تھا، جیسا کہ (ستحار) اور (ثم حار) کے فرق سے ظاہر ہے، مشہور ہود والے کتبہ کی روایت میں صرف اتنی بات درست ہے کہ اس تحریر کا تعلق عمرو ذوالاذعار کے زمانہ سے ہے، جو کہ ابرہہ ذوالمنار کی نسل سے اور تبیس بنت ہدہاد کا حریف تھا، جو کہ حبش کے بادشاہ اذینۃ الصباح کی ہم عصر تھی، عمرو ذوالاذعار غالباً انہی حبشیوں سے جن کی خدمات ذونواس نے بغاوتیں فرو کرنے کے لئے حاصل کی تھیں،

اس قدیم کتبہ سے ظاہر ہے کہ ایک زمانہ میں ملک ذمار پر قبضہ کرنے کی بہ وجہ چار قومیں کر رہی تھیں

(۱) حمیر اخیار — یعنی خود یمن کا قدیم شاہی گھرانا،

(۲) حبشہ اشرار — جن کی بابت زیر بحث کتبہ میں ہے کہ ذو نوش نے حبش والون کو راضی کیا، اور وہ خادم ہو گئے، اور نقوش زیرین کے کندہ کار نے جن کا ذکر کوشس کے نام سے کیا ہے، اور ان کو ذلیل جھگڑالو غلام بتایا ہے، اب تک کی معلومات کے مطابق اہل حبش نے ۳۳۵ء اور ۵۲۵ء میں یمن پر حکومت کی، قدیم کتبہ کی روایت مین پہلی بار کے قبضہ اہل حبش کا ذکر ہونا چاہئے، کیونکہ سنہ ۵۴۳ء میں جو کتبہ خانہ کعبہ کے پاس ملا تھا، اس میں مذکور تھا کہ ملک ذمار اپنی جگہ لوٹ گیا، یعنی حمیر نے اس پر حکومت قائم کر لی، ملک ذمار ملک یمن ہی کا ایک نام ہے،

(۳) فارس احرار — زیر بحث کتبہ کی تشریح سے پہلے تک کے معلومات کے مطابق فارس والون نے یمن پر ۵۷۰ء یا ۶۰۰ء سے لے کر ۶۳۲ء تک حکومت کی تھی، اس لئے سمجھا جاتا تھا کہ قدیم کتبہ مین فارس احرار کے ذکر سے یہی دور مراد ہے، جب کہ یمن مرزبان بہروز (دہرز) کے ورثا حکومت کرتے تھے، لیکن اس پر یہ اعتراض ہو سکتا تھا کہ ۵۴۳ء مین خانۂ کعبہ مین جو کتبہ ملا تھا، اس کے مطابق تو اس زمانہ سے پہلے حمیر، حبشہ، فارس اور قریش کی جو کھینچ تان ہو رہی تھی، ختم ہو کر حکومت ذمار اپنے اصلی محور پر لوٹ گئی تھی، اور حمیری حکومت قائم ہو گئی تھی، زیر بحث کتبہ مین تو ذکر ذو کے تذکرہ نے حل کر دشواری حل کر دی، اسی زمانہ (۳۲۳ء تا ۳۴۵ء) مین حمیر اخیار، حبشہ اشرار اور فارس احرار تینون گروہ حکومت یمن کے حصول کی کوشش کرتے تھے،

(باقی)

باب التقریظ والانتقاد

نیا ادب

شاہ معین الدین احمد ندوی

مولفہ جناب پنڈت کشن پرشاد صاحب کول تقطیع بڑی ضخامت ۴۹۴ صفحے کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت للعہ پتہ :- انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی،

نئے اور ترقی پسند ادب کی موافقت اور مخالفت میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے لیکن اب تک کسی صاحب نظر ادیب نے اس کا تفصیلی جائزہ نہیں لیا، اور غیر جانبدارانہ محاکمہ نہیں کیا تھا، اس کام کو اردو کے نامور ادیب پنڈت کشن پرشاد کول نے انجام دیا ہے، اور اس کتاب میں انھوں نے نئے ادب کے ہر پہلو کا تفصیلی تجزیہ کرکے اس کے محاسن و معائب ظاہر کئے ہیں، ابتدا میں ترقی پسند ادب کی حقیقت، اس کی غرض و غایت اور اس کے خیالات و نظریوں پر تبصرہ ہے، پھر اس کے افسانوں پر اجمالی، اس کے بعد مشہور ترقی پسند افسانہ نگاروں کے افسانوں اور ناولوں پر تفصیلی تنقید کرکے ان کی خوبیاں اور نقائص دکھائے ہیں، اور آخر میں مشہور ترقی پسند شعراء کے کلام پر نقد و تبصرہ ہے اردو میں اس موضوع پر اس سے زیادہ جامع اور بہتر کتاب نہیں لکھی گئی ہے، لائق مصنف نے بڑے اعتدال و توازن اور غیر جانبداری کے ساتھ ترقی پسند ادب کے محاسن و معائب دونوں دکھائے ہیں جس سے اس کا ہر رخ، سارے خط و خال اور عیب و ہنر سامنے آجاتے ہیں، پوری کتاب مصنف کے بلند ادبی ذوق، نکتہ سنجی، دقت نظر اور صحیح تنقیدی نگاہ کی آئینہ دار اور تنقیدی و ادبی حیثیت سے اصحاب ذوق خصوصاً ترقی پسند ادیبوں کے مطالعہ

کے لائق ہے،

درحقیقت ترقی پسند ادب کے بارہ مین اس کے حامی اور مخالف دونون تنگ نظری اور افراط و تفریط مین مبتلا ہین، سویٹ زدہ ترقی پسندون کے نزدیک محض اشتراکی خیالات اور روسی ادب کی نقالی ترقی پسندی کی معراج ہے، انھون نے محض بھوک، پیٹ، روٹی، کسان، مزدور، غریب، سرمایہ دار، انقلاب، آگ اور خون کے الفاظ اور فرائیڈ کے جنسی نظریات کی تبلیغ و اشاعت، فحاشی، و عریان نگاری اور شعر و ادب مین بے لگام آزادی کا نام ترقی پسند ادب رکھا ہے، اس کے علاوہ ہر ادب اُن کے نزدیک غیر صحت مند، اور مجموعۂ خرافات ہے، اُن کے مقابلہ مین پرانے ادب کے پرستارون کا طبقہ جواب بہت کم باقی رہ گیا ہے، پرانے ڈھرے سے ذرا بھی الگ ہونا بارگاہ ادب مین سوء ادب سمجھتا ہے، یہ دونون نقطۂ نظر غلط ہین،

ترقی پسندی اور نیا ادب اگرچہ اصطلاحین نئی ہین، لیکن نیا ادب اس زمانہ کی پیداوار نہین ہے، بلکہ ہر زمانہ کے حالات اور ذوق و رجحان کے تغیر کا فطری نتیجہ ہے جس سے کسی زبان و ادب کی بھی تاریخ خالی نہین ہے، اگر اردو کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے، تو فضلی کی وہ مجلس، میر شیر علی افسوس کی آرایش محفل، اور میر امن کے قصہ چہار درویش سے لیکر موجودہ ترقی پسند ادب تک، ہر زمانہ مین ترقی پسندی اور نئے ادب کا ایک سلسلہ نظر آئے گا، اس کے ابتدائی دور مین ادب محض مقفیٰ و مسجع عبارت آرائی اور خیالی افسانہ طرازی تک محدود تھا، اس کے بعد جب ترقی کا قدم آگے بڑھا تو افسانہ طرازی باقی رہی، لیکن عبارت مین سلاست و سادگی آنے لگی، جس کا نمونہ چہار درویش ہے، اور کم و بیش ۱۸۵۷ء کے انقلاب تک یہ طرز قائم رہا، اس کے بعد جب حکومت کے ساتھ پرانی تہذیب کی بساط الٹی اور جدید تعلیم و تہذیب سے مذاق و خیالات مین تغیر پیدا ہوا، تو اس کے ساتھ ادب بھی بدلنا شروع ہوا، اور خیالی افسانہ طرازی کی جگہ حقیقت پسندی، ذہنی تفریحی ادب کے بجائے مفید سنجیدہ علمی و اصلاحی لٹریچر اور عبارت آرائی کے بجائے سادگی شروع ہوگئی، اور ادب محض ذہنی تفریح کے بجائے زندگی کے تقاضون کی تکمیل کا کام لیا جانے لگا، سرسید، شبلی، حالی، محمد حسین آزاد اور مولوی

چراغ علی وغیرہ کی تصانیف اس کا ثبوت ہیں، بلکہ خالص ادب و افسانوں میں بھی واقعیت و مقصدیت پیدا ہو گئی، ڈپٹی نذیر احمد اور مولوی راشد الخیری کے اصلاحی افسانے اس کے شاہد ہیں، اور ترقی پسندی کی یہ رفتار برابر قائم رہی، اور حالات و ضروریات کے مطابق اردو ادب کا رنگ بدلتا اور ہر قسم کا لٹریچر پیدا ہوتا گیا، ہندوستان کی آزادی کی تحریک کے بعد سے اس وقت تک اردو میں اچھا خاصہ سیاسی لٹریچر بھی پیدا ہو گیا ہے،

اسی قسم کے تغیرات نظم میں بھی ہوئے، غدر کے بعد ہی سے اردو شاعری کا رنگ بدلنا شروع ہو گیا تھا، سب سے پہلے غالب نے نیا راگ چھیڑا، اور خیالات اور طرز ادا دونوں میں وسعت و تغیر پیدا کیا، ان کے بعد محمد حسین آزاد و حالی نے ترقی کا قدم اور آگے بڑھایا، انھوں نے اردو شاعری کو اس کے قدیم تنگ کوچہ سے نکال کر نئے خیالات و تصورات سے آشنا کیا، مولانا حالی نے اس سے پسماندہ کاروان ملت کے لئے حدی کا کام لیا، جس کا نمونہ مسدس حالی اور ان کی دوسری نظمیں ہیں، اور پرانی شاعری کی عام اصلاح کے لئے مقدمۂ شعر و شاعری لکھا، ان کے بعد اکبر الہ آبادی نے شاعری کے مقاصد میں اور زیادہ وسعت پیدا کی، اور اس سے گوناگون اصلاحی و تنقیدی کام لئے، اور اقبال نے اس کو محشرستان حیات کا صور اور جہاد زندگی کی تکبیر بنا دیا، "قوموں کے، اوج و زوال ترقی و تنزل، اور موت و حیات کا وہ کون سا اصول و فلسفہ ہے، جو ان میں نہیں ہے، اور بعد کے سارے واقعی ترقی پسند شعراء درحقیقت انہی کے خوشہ چین ہیں، غرض غدر کے بعد اردو نظم و نثر کے جس پہلو پر بھی نظر ڈالی جائے اس میں ترقی پذیری، حقیقت پسندی اور مقصدیت نظر آئے گی، اس لئے یہ سمجھنا کہ ترقی پسندی موجودہ دور کے ترقی پسند شعراء اور ادیبوں کا کارنامہ ہے سراسر غلط ہے، البتہ زمانہ کے حالات و ضروریات کے لحاظ سے ترقی پسندی کا رخ بدلتا رہتا ہے، چنانچہ موجودہ زمانہ میں سیاسی و معاشی و سماجی مسائل کے متعلق بھی اردو لٹریچر پیدا ہو رہا ہے، ترقی پسندی کو محض اشتراکی ادب کی نقالی پیٹ کی آگ اور جنسی بھوک میں محدود کر دینا درحقیقت ترقی پسندی نہیں بلکہ تنزل ہے، اس کے علاوہ

بھی زندگی کے بہت سے مسائل ہین، جو اُن سے کم اہم نہین،

پرانے ادب پر ایک بڑا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ وہ عوام کی زندگی سے دور ہے، اس مین ان کی زندگی کی عکاسی اور اُن کے مذاق کی چیزین نہین ہین، اور وہ محض ذہنی و دماغی تفریح کا ذریعہ ہے، اس مین زندگی کے مشکلات و مسائل کا حل نہین ہے، ان اعتراضات کے جوابات کے لئے ان پر تفصیلی بحث کی ضرورت ہے، یہ صحیح ہے کہ پرانا ادب عوام کی زندگی سے دور ہے، اس کا سبب یہ ہو کہ اس زمانہ مین عوام کی اتنی اہمیت ہی نہین تھی، اور نہ عوامی مسائل پیدا ہوے تھے، ان کا بڑا حصہ تعلیم سے بیگانہ تھا، اور وہ زیادہ تر خواص تک محدود تھی، اس لئے پرانا ادب خواص کے طبقہ مین محدود رہا۔ اور انھی کے اثرات بھی اس مین آئے لیکن اس سے مراد اردو ادب ہے، اردو زبان نہین،

لیکن اس کے باوجود کہ اردو ادب عوام کی زندگی سے دور رہا، اس مین اُن کے ذوق اور اُن کی ذہنی تفریح کا پورا سامان موجود تھا خصوصاً شہری عوام کے لطف و تفریح کا بڑا ذخیرہ ہے، قصہ چہار درویش، آرائش محفل، الف لیلہ، قصۂ لیلیٰ مجنون، نل دمن، گل بکاولی، نو رتن، سنگھاسن بتیسی، بیتال پچیسی، قصۂ مادھونل، اور اندر سبھا امانت وغیرہ جیسیون کتابین موجود تھین جن سے عوام ایسی ہی لطف و تفریح حاصل کرتے تھے جیسی موجودہ زمانہ کا ایک تعلیم یافتہ شخص اچھے سے اچھے ناول کے مطالعہ سے حاصل کرتا ہے، فرصت کے اوقات مین چند ہم سن و ہم مذاق ایک جگہ جمع ہو جاتے، حقہ کا دور چلتا، ایک خواندہ شخص ان مین سے کوئی کتاب پڑھتا، اور تمام سامعین اس سے لطف اندوز ہوتے، آج بھی لکھنؤ کے زردوزون، سادہ کارون اور دوسرے اہل حرفہ مین اس قسم کے ادبی اجتماع عام ہین، بلکہ ان مجلسون مین فسانۂ آزاد اور داستان امیر حمزہ تک کا دور چلتا ہے شہرون کے علاوہ بڑے قصبات تک مین اس قسم کے تفریحی اجتماع ہوتے ہین،

البتہ خالص دیہاتی اور ان پڑھ کسانون کی تفریح کا سامان اردو ادب مین موجود نہین ہے، یہ طبقہ اردو کی ادبی زبان ہی نہین سمجھ سکتا تھا تو اس کے لئے لٹریچر کہان سے پیدا ہوتا لیکن اُن کے ذوق و دلچسپی اور لطف و تفریح

کے لئے برج بھاشا میں بہت سی کتابیں قصے اور کہانیاں موجود تھیں اور جن کتابوں کے نام لکھے گئے ہیں ان میں نو رتن سنگاسن بتیسی، بیتال پچیسی، قصہ تل دمن وغیرہ اور دوسری بہت سی کتابیں برج بھاشا میں بھی ہیں، اُن کے علاوہ ہفت جواہر، اسلام کمند، آلھا اودل کا قصہ، بارہ ماسے اور بہت سی داستانیں اور حکایات موجود ہیں، جو آج بھی دیہاتوں میں بڑے ذوق اور دلچسپی سے سُنی جاتی ہیں،

ان کے مقابلہ میں آج بھی دیہاتی عوام عوامی ہونے کے ادب کے فیض سے محروم بلکہ اس کے نام تک سے واقف نہیں، پُرانے ادب کی تفریحی کتابوں سے کم از کم وہ ذہنی تفریح تو حاصل کر لیتے تھے، نئے ادب نے تو اُن کو اس سے بھی محروم رکھا ہے، اور وہ محض شہری تعلیم یافتہ نوجوانوں کی مشق سخن اور تفریح کا ذریعہ ہے، البتہ زبانوں پر عوامی ادب کی فیض بخشی کا شور ہے، یہ بھی صحیح ہے کہ پرانے ادب میں دیہاتی زندگی کی عکاسی نہیں ہے اسکی وجہ وہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی کہ اس دور میں اُن کی اتنی اہمیت نہیں تھی، دیہاتوں میں تعلیم نہ تھی لکھنے والے سب شہری تھے، مختصر افسانوں کا رواج نہ ہوا تھا، اور اس زمانہ میں اردو کی عمر ہی کیا تھی، کہ اس میں ہر قسم کا لٹریچر موجود ہوتا، اس قسم کے مختصر افسانے تو مغربی زبانوں میں بھی ان کے انتہائی عروج، بلکہ زمانۂ حال میں پیدا ہوئے، ایسی حالت میں اردو میں ان کا وجود کہاں ہو سکتا تھا لیکن اسکی ترقی کے ساتھ سب چیزیں رفتہ رفتہ آ رہی ہیں، اس کے علاوہ ان معترضین سے یہ سوال ہے کہ اُن کے عوامی ادب اور عوامی زندگی کی عکاسی سے خود ان غریب دیہاتی عوام کو کیا فائدہ پہنچا، وہ اس کے علمی و عملی دونوں فوائد سے محروم ہیں، ان میں اتنی استعداد صلاحیت نہیں کہ وہ کم سے کم انہیں پڑھکر ذہنی تفریح ہی حاصل کر سکیں، اُن کی پرمحن زندگی جیسے پہلے تھی اب بھی ہے، ان کو جو فائدہ پہنچا بھی ہے، وہ سیاسی حالات نے پہنچایا ہے، عوامی تمدنی ادب کو اس میں کوئی دخل نہیں، وہ ویسے ہی محض تعلیم یافتہ طبقہ کی ذہنی تفریح کا ذریعہ ہے، جیسے پرانا ادب ہے، روس میں عوامی ادب اس وقت پیدا ہوا جب عوام کا بڑا حصہ تعلیم یافتہ یا کم سے کم خواندہ ہو گیا، یہاں حال یہ ہے کہ دیہاتی آبادی کا بڑا حصہ بلکہ تقریباً کل کا کل جاہل مطلق ہے، اور اس کی ضیافت کے لئے عوامی ادب کا خوان موجود ہے،

جن کی خبر بھی ان بیچاروں کو نہیں ہے، یہ تو ویسی ہی ستم ظریفی ہے کہ غریب کسانوں کو آج بھی پیٹ بھر کھانا اور تن کا کپڑا میسر نہیں لیکن اُن کی ترقی کے لئے دیہاتوں میں بجلی اور ریڈیو رائج کرنے کی اسکیمیں بنائی جاتی ہیں، اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ عوامی ادب سے عوام کو عملاً کسی قسم کا کوئی فائدہ نہیں پہنچا، ایسی حالت میں اس کا نام محض عوامی ادب رکھ دینے سے تو کچھ حاصل نہیں ہوتا،

ادب برائے ادب، اور ادب برائے زندگی کا جھگڑا بھی نہایت مہمل ہے، یہ دونوں قسمیں ہر زمانہ اور ہر زبان میں موجود رہی ہیں، گو یہ اصطلاحیں نہ رہی ہوں، البتہ اب ادب برائے زندگی کا تصور محدود ہوگیا ہے پہلے زندگی نام تھا اس کے مادی، اخلاقی اور روحانی تمام پہلوؤں کا اور اب وہ سمٹ کر محض پیٹ اور جنسی بھوک میں محدود ہوگئی ہے، زندگی کے صحیح اور جامع تصور کے مطابق اس کے ہر پہلو کی ہدایت و رہنمائی کے لئے عربی، فارسی، سنسکرت اور ہندی وغیرہ ہندوستان کی تمام رائج زبانوں میں حکیمانہ و فلسفیانہ کتابیں سبق آموز حکایات، حکیمانہ مقولے، اور ضرب الامثال موجود ہیں، اردو ایک نئی زبان ہے، اس لئے اس موضوع پر اس میں کم کتابیں لکھی گئیں، لیکن دوسری زبانوں سے بہت سی کتابیں ترجمہ ہو چکی ہیں سنسکرت اور ہندی کے ترجموں کا راقم کو پورا علم نہیں ہے، لیکن انوار سہیلی یا کلیلہ دمنہ، گلستان سعدی، بہار دانش، اخوان الصفا، کیمیائے سعادت، مثنوی مولانا روم اور دوسری بہت سی حکیمانہ کتابوں کے جن سے زندگی کے ہر شعبہ میں سبق حاصل ہوتا ہے، ترجمے ہو چکے ہیں، اور یہ سب کتابیں تو ہمارے پرانے نصاب میں داخل تھیں یعنی زندگی کے جملہ مادی، روحانی و اخلاقی معاملات و مسائل کی باقاعدہ تعلیم ہوتی تھی، ایسی حالت میں پرانے ادب کو محض ادب برائے ادب میں محدود سمجھنا ناواقفیت کا ثبوت ہے،

خالص ادب یعنی ادب برائے ادب بھی زندگی کی ضروریات میں اور تہذیب و کلچر کی ترقی کا لازمی نتیجہ ہے، بلکہ دہقانی زندگی بھی اس سے خالی نہیں، انسان محض جانور یا مشین نہیں ہے، کہ وہ محض مادی ضروریات فراہم کرنے کا آلہ ہو، یا اس کی ضرورت محض پیٹ اور بھوک تک محدود ہو، بلکہ وہ مادی حوائج کے

ضروریات کے ساتھ کچھ لطیف جذبات و احساسات اور پاکیزہ تصورات بھی رکھتا ہے، زندگی کی مشقتوں اور جد و جہد کے بعد اس کو سکون کے کچھ لمحات اور دماغی و ذہنی لطف و تفریح کا سامان بھی درکار ہے، عملی سے عملی آدمی کو بھی ایسے لمحات کی ضرورت ہوتی ہے، دیہات کے کسان بھی اس سے خالی نہیں ہیں، دن بھر کی محنت و مشقت کی تکان کے بعد اُن کو بھی ذہنی و دماغی سکون و تفریح کی ضرورت ہوتی ہے، چنانچہ وہ بھی اپنی فرصت کے اوقات میں دیہاتی قصص و حکایات و افسانوں کو سن کر لطف و تفریح حاصل کرتے ہیں اور جس قدر تہذیب و کلچر بڑھتا جاتا ہو تی ہے، اس قسم کے لٹریچر کی ضرورت بڑھتی جاتی ہے، دل و دماغ کی تفریح و جلا کے لئے ادب برائے ادب ضروری اور تھکے ہوئے دماغ کی غذا ہے جس سے دماغ تر و تازہ اور شگفتہ ہوتا ہے، اس کے بغیر دماغ کند اور ذہن غبی ہو جاتا اور زندگی کی بہت سی لطافتیں اور رعنائیاں ختم ہو جاتی ہیں، اس لئے انسانی زندگی کے لئے ادب برائے ادب بھی اسی طرح ضروری ہے جس طرح ادب برائے زندگی، اگر ادب و شاعری کا حصہ زندگی سے خارج کر دیا جائے، تو وہ یکسر بے رنگ و بو ہو جائے،

ہم کو ادب کے بعض اصلاحی پہلوؤں کی ضرورت اور اہمیت سے انکار نہیں، ترقی پسند ادیبوں میں ایسے اصحاب قلم بھی ہیں جن کی کوششیں، ادبی و اصلاحی دونوں حیثیتوں سے قابلِ قدر ہیں، لیکن ان کی تعداد بہت کم ہے، جم غفیر ان نوآموزوں کا ہے جن کو قلم پکڑنے کا بھی سلیقہ نہیں ہے۔، اور وہ ترقی پسند محض اس لئے کہلاتے ہیں کہ اپنے سیدھے اشتراکی خیالات کی نقالی کرتے ہیں، اُن کا سب سے بڑا عیب عریاں نگاری ہے، بلکہ پختہ کار ترقی پسند افسانہ نگاروں کے افسانے بھی اس سے یکسر پاک نہیں، سماجی اصلاح کی ضرورت مسلّم ہے، لیکن کیا اس کا طریقہ صرف عریاں نگاری ہے، اگر بالفرض کسی خاص صورت میں کسی درجہ میں اس کی ضرورت تسلیم بھی کر لی جائے، تو اس کو مزے مزے سے لیکر بیان کرنے کی کیا ضرورت ہے، اس سے تو خود ان ادیبوں کی جنسی بیماری کا پتہ چلتا ہے، انھوں نے فحاشی اور عریاں نگاری کو نوجوانوں میں اپنی شہرت و مقبولیت اور تجارت کا ذریعہ بنا لیا ہے، اور یہ کام شائستہ طریقہ سے بھی کیا جا سکتا ہے، پرانے ادیبوں نے بھی اس موضوع پر

پر لکھی ہو، مرزا رسوا اور قاضی سرفراز حسین نے طوائفون تک کی سرگزشت بیان کی ہے، لیکن کس شائستگی کے ساتھ، خود قاضی عبد الغفار صاحب جو پرانے اور نئے دونون ادب کے مجمع البحرین پرانے ادب کے نامور ادیب اور ترقی پسند ادیبون کے مقتدا ہین، ان کی کتابین لیلیٰ کے خطوط اور مجنون کی ڈائری اصلاحی ترقی پسند ادب کا اچھا اور قابل تقلید نمونہ ہین، لیکن اس کے لئے بڑے سلیقہ، حسن مذاق اور اس سے بھی بڑھ کر حسن نیت کی ضرورت ہے، جس کا نئے ادیبون مین عموماً فقدان ہے،

یہ تو نئے اور پرانے ادب کے ایک حصہ یعنی نثر کا تجزیہ تھا، نظم کا حال بھی یہی ہے، نہ ترقی پسند شاعری سراسر خیر ہے، اور نہ پرانی شاعری محض دفتر پارینہ، شاعری ہی نے اردو جیسی نومولود بولی کو مستقل زبان بنایا، اور شعراء اور ادیبون کو زبان و بیان کے جوہر عطا کئے، ورنہ وہ ع

اک چیز لچر سی بے زبان دکنی تھی

اس سے انکار نہین کہ اردو کی قدیم شاعری کا بڑا حصہ عشق و عاشقی کے جذبات اور ہجر و وصال و گل و بلبل کی داستان پر مشتمل ہے لیکن حسن مذاق اور لطافت کے ساتھ یہ چیزین شاعری کا عیب نہین، بلکہ ہنر ہین، کس زبان کی شاعری اس سے خالی ہے، بلکہ شاعری کا آغاز ہی عشق و محبت کے جذبات سے ہوا، اسکو خارج کر دینے کے بعد شاعری مین رہ کیا جاتا ہے، البتہ اعتدال و سلامت مذاق ضروری شرط ہے، یہ صحیح ہے کہ آخری دور کے شعراء خصوصاً لکھنؤ کے شعراء نے شاعری مین بڑا ابتذال و رکاکت پیدا کر دی اور اس کو سفلہ جذبات کا چٹکلہ اور الفاظ کا کھیل بنا دیا، لیکن یہ اس دور کی زوال پذیر سوسائٹی کا قصور ہے، تاہم کوئی دور بھی بلند پایہ شعراء سے خالی نہین رہا، ان مین میر، مومن، ذوق، غالب، آتش اور انیس و دبیر بھی تھے جن کا کلام اردو شاعری کا لائق فخر سرمایہ ہے، خصوصاً انیس و دبیر نے اردو شاعری کا دامن نہایت وسیع کر دیا، انیس نے بالکل صحیح کہا ہے،

سبک ہو چلی تھی ترازوے شعر مگر مین نے پلہ گران کر دیا

یہ صحیح ہے کہ شاعری کا دامن محض عشق و محبت کی واردات سے زیادہ وسیع ہونا چاہئے اس کا

سے بلا شبہ اردو شاعری کا گلہ بڑی حد تک بجا ہو لیکن وہ دوسرے جذبات وخیالات سے یکسر خالی نہیں ہو خود غزل میں بھی جو اس حیثیت سے سب سے زیادہ مطعون کبھی جاتی ہے، بہت سے اخلاقی و حکیمانہ خیالات پائے جاتے ہیں، بلکہ رباعی کے بعد غزل کے فرد اشعار ہی اس کے لئے موزون ہیں جس سے کسی غزل گو کا کلام بھی خالی نہیں ہے، رباعی اور قطعات حکیمانہ خیالات کے لئے مخصوص ہیں، جن کا بڑا ذخیرہ اردو میں مسلسل نظم کے لئے مثنوی ہے جس میں ہر قسم کے واقعات اور خیالات و جذبات نظم کئے جا سکتے ہیں، اور اردو مثنویوں میں اس کے بہتر سے بہتر نمونے موجود ہیں، اس لحاظ سے مرثیہ کا دامن بھی جن کا موضوع اگرچہ محدود ہو ہر قسم کے جذبات وخیالات، مناظر اور واقعہ نگاری کے لئے نہایت وسیع ہو اور اس کی بہتر سے بہتر مثالیں انیس و دبیر کے مراثی میں موجود ہیں جن کی نظیر جدید اردو شاعری میں اب تک نہیں مل سکتی؛

یہ تو پرانی شاعری کا حال ہو جدید دور کی شاعری میں ہر قسم کی نظمیں اس کثرت سے ہو گئی ہیں کہ ان کا شمار بھی مشکل ہو البتہ موجودہ نقطۂ نظر سے قدیم شاعری زندگی کی حرارت اور اس کے تقاضوں کی تکمیل سے خالی ہو لیکن ایسے دور انحطاط کی شاعری میں جس کا نشو و نما حکومت کی تباہی، سوسائٹی کے فساد اور لکھنؤ کے گہوارۂ تعیش میں ہوا ہو زندگی کی حرارت اور اس کے تقاضوں کو تلاش کرنا ایسا ہی ہے جیسے بہادر شاہ کی زنگ خوردہ تلوار میں ہمایوں اور بابر کی تلوار کے جوہر اور عالمگیر کی تیغ کے ہنگامہ خیز دنگل میں خون جگر تلاش کرنا لیکن جب سے اردو شاعری کا قدیم رنگ بدلا ہے، اس میں قومی، ملی، معاشی اور سیاسی مضمون کا بڑا ذخیرہ پیدا ہو گیا ہے،

یہ بھی عجیب بات ہو کہ جدید شاعری کے سرگروہ حالی، آزاد، شبلی، ظفر علی خان، اکبر اور اقبال سب کے سب پرانے مکتب شاعری کی پیداوار تھے، انہی نے جدید شاعری کا آغاز کیا، اور اس کو کمال کے اس درجہ تک پہنچا دیا کہ اب اس میں مشکل ہی سے اضافہ کیا جا سکتا ہو، خود ترقی پسند شعراء کے امام جوش ملیح آبادی بھی شاعری کے پرانے اسکول کی پیداوار ہیں، اگرچہ انھوں نے اپنے کلام میں ترقی پسندی کے رائج الوقت سکہ کا ٹھپہ لگا دیا ہو لیکن وہ اسی پرانی ٹکسال کا ڈھلا ہوا ہو اسی لئے اس میں کھوٹ نہیں ہو اور کمال فن اور محاسن شاعری کے اعتبار سے استاد ہو،

اس لئے پرانی شاعری کا دفتر بالکل پارینہ نہیں ہو، البتہ اس کے بعض پہلو قابل اصلاح ضرور ہیں جنکی اصلاح ہوتی جاتی ہے،

اس کے مقابلہ میں ترقی پسند شاعری کی ابھی کوئی حیثیت ہی قائم نہیں ہوئی ہے اور ترقی پسند شعراء میں جوش، مجاز، علی جواد زیدی، فراق اور اس قسم کے دو چار شعراء کو چھوڑ کر جن کی شاعری کا قالب وہی پرانا ہے، اور جو در حقیقت شاعری کہی جا سکتی ہے، باقی نظم منثور لکھنے والے کسی شمار میں نہیں ہیں، اور اُن کی حیثیت اشتراکی ادب کے بھونڈے نقال سے زیادہ نہیں، اگر پرانی شاعری محض عشق و محبت، گل و بلبل اور ہجر و وصال کے افسانوں تک محدود تھی تو جدید ترقی پسند شاعری محض پیٹ، روٹی، انقلاب، مزدور، سرمایہ دار اور فرائیڈ کی جنسیات تک محدود ہے،

ترقی پسند نثر اور نظم دونوں کے عیوب و نقائص قریب قریب یکساں ہیں نظم میں دو عیب مزید ہیں، ایک شاعری کے قواعد سے آزادی، دوسرے ابہامیت یا رمزیت، قواعد سے آزادی کے لئے یہ عذر کیا جاتا ہے کہ وہ خیالات کے تنوع اور وسعت کا ساتھ نہیں دے سکتے، اور اردو شاعری کی ترقی کے لئے اُن کا توڑنا ضروری ہے لیکن یہ محض عذر لنگ اور عجز بیان کا ثبوت ہے رامائن، مہابھارت، شاہنامہ، مثنوی مولانا روم وغیرہ دنیا کی بہت سی غیر فانی کتابیں پابند نظم میں لکھی گئی ہیں، اور ان میں مختلف النوع جذبات و خیالات، افکار و تصورات واقعات و حالات، فلسفہ و حکمت، اخلاق و روحانیات وغیرہ کا ایک عالم موجود ہے، اور اُن کے نظم کرنے میں شاعری کی پابندیاں حائل نہ ہو سکیں، خود اردو جیسی نو عمر زبان میں غالب، انیس و دبیر اور اقبال کے کلام میں کیا کچھ نہیں ہے، اقبال سے زیادہ بلند و دقیق کس کے خیالات ہونگے لیکن اُن کو کبھی قواعد شاعری کے دائرے سے باہر نکلنے کی ضرورت نہیں پڑی، خود ترقی پسند شعراء میں جوش، مجاز، فراق، علی جواد زیدی جن کا شمار اختر کو جن کا کلام درحقیقت شاعری کہلانے کا مستحق ہے، شاعری کے قواعد کی تنگ دامانی کا شکوہ کبھی نہیں ہوا خصوصاً جوش کا کلام تو قادر الکلامی کا نمونہ ہے، اور اسی لئے اُن کے کلام میں جان ہے کہ اس کا قالب پرانا ہے،

بحر، ردیف اور قافیے کی پابندیاں محض لایعنی نہیں ہیں، بلکہ اُن سے کلام میں حسن و اثر پیدا ہوتا ہے، ایک ڈھلا ہوا شعر سامعہ اور ذوق دونوں کو متاثر کرتا ہے، قوت حافظہ بھی اسے جلد اور آسانی کے ساتھ محفوظ کر لیتی ہے، اس لئے تبلیغی مقصد کے لئے بھی پابند شاعری زیادہ مفید ہے، اس حد تک تو تسلیم ہے کہ ان تمام

قوانین کی پابندی کی ضرورت نہیں جن سے شاعری محض صنعت گری بن جائے لیکن موٹی موٹی باتوں مثلاً بحروزن اور قوافی کا لحاظ جن سے شعر کا قالب بنتا ہے ضروری ہے، ورنہ وہ شعر شعر نہیں رہ جائے گا، ایسا تو نہ ہو کہ ایک نظم کا ہر مصرع دوسرے سے مختلف ہو، اور نثر و نظم میں امتیاز کرنا دشوار ہو جائے، بلکہ نظم منثور کے فقرے بھی ایک دوسرے سے مربوط نہ ہوں، انگریزی کے بلینک ورس کی شوق سے تقلید کی جائے لیکن تھوڑی سی ترمیم کے ساتھ، ہر زبان کا ایک خاص مزاج ہوتا ہے جو دوسری زبانوں کی بجنسہٖ نقل و تقلید کا متحمل نہیں ہو سکتا، ایک ماہر و مبصر ادیب کا یہ کام ہے کہ دوسری زبانوں کے ادب کی نقل و ترجمہ کو اپنی زبان کے مزاج کے مطابق ڈھال لے، ورنہ ایک کی روح دوسرے کے قالب میں بالکل اجنبی نظر آئے گی، اس قسم کے تصرفات خود عربی فارسی اور اردو کی بحروں میں جو ایک دوسرے سے اس قدر قریب ہیں کئے گئے ہیں، اس لئے کہ بجنسہٖ ایک زبان کے قوانین شاعری دوسری زبان کی شاعری کیلئے موزون نہیں تھے، ایسی حالت میں انگریزی جیسی اجنبی زبان کی شاعری کی نقل و تقلید میں تو ترمیم اور تصرف کی بھی زیادہ ضرورت ہے،

دوسرا عیب ابہامیت یا رمز و کنایہ ہے، اردو شاعری میں بھی استعارہ و کنایہ ہے لیکن اس کا استعمال خاص خاص مواقع پر اس خوبصورتی کے ساتھ کیا جاتا ہے کہ کلام کے حسن و اثر دونوں میں اضافہ ہو جاتا ہے، اور شاعر کا مفہوم و مقصد، تصریح سے زیادہ بلیغ طریقہ سے ادا ہو جاتا ہے، الکنایۃ ابلغ من التصریح مشہور مقولہ ہے، لیکن جدید شاعری کی ابہامیت ؏

مدعا عنقا ہے اپنے عالم تحریر کا

کی مصداق ہے اور اس کا مفہوم و مقصد سمجھنا دشوار ہو جاتا ہے، ترقی پسند شاعری کا بڑا مقصد خاص خیالات کی تبلیغ و اشاعت ہے، اور اس قسم کی ابہامیت اس کے بالکل منافی ہے، اس لئے سنجیدہ ترقی پسندوں کو ان نقائص کی اصلاح کی جانب توجہ کرنے کی ضرورت ہے، ورنہ ترقی پسند ادب کا اصل منشا پورا نہیں ہو سکتا اور اس کی زندگی بھی بہت تھوڑی ہو گی،

مطبوعات جدیدہ

مسدس بے نظیر مصنفہ جان صاحب، مرتبہ جناب محمد علی خان صاحب اثر رامپوری، تقطیع چھوٹی،

ضخامت ۱۹۲ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت مجلد عہ، پتہ :- خسرو باغ، روڈ ریاست رامپور۔

نواب کلب علی خان والی رامپور بڑے علم دوست، علما نواز اور علم و فن کے بڑے قدر دان و سرپرست تھے، اُن کے عہد کے بہت سے نامور علما و شعرا و ادبا، دربار رامپور سے وابستہ تھے، نواب موصوف کے زمانہ میں بعض تمدنی کام بھی انجام پائے، اس سلسلہ میں انھون نے اپنی تخت نشینی کی یادگار میں ۱۲۸۶ھ میں ایک میلہ قائم کیا تھا، یہ رامپور کا تاریخی میلہ تھا، سرکاری انتظام میں باغ بے نظیر میں لگتا تھا، نواب ممدوح خود بنفس نفیس اس میں شریک ہوتے تھے، ہر فن کے باکمال اس میلہ میں اپنے ہنر کمال کا مظاہرہ کرتے تھے، شعر و ادب کی محفل بھی جمتی تھی، چنانچہ دربار رامپور کے بہت سے متوسل شعرا نے میلہ اور باغ بے نظیر کی تعریف میں اشعار کہے تھے، مشہور ریختی گو جان صاحب نے ایک مستقل مسدس مسدس بے نظیر تصنیف کیا تھا، جو اب تک نہیں چھپا ہے، اس کا قلمی نسخہ ریاست کے کتب خانہ میں موجود تھا، جناب اثر رامپوری نے اسکو مبسوط مقدمہ کیساتھ شائع کیا ہے، مسدس تو کل ۳۲ صفحون کا ہے لیکن مقدمہ کی حیثیت مستقل تصنیف کی ہے، اس میں لائق مصنف نے بڑی تلاش و جستجو سے تاریخی و ادبی ماخذ دن شعرا کے دواوین اور رامپور کے پُرانے بزرگون کی معتبر زبانی روایات سے میلہ اور باغ بے نظیر کے مفصل حالات تحریر کئے ہین، اور جان صاحب کے مسدس اور دوسرے شعرا کے کلام میں جن لوگون کے نام یا جو اشارات آئے ہین، اُن کے مختصر حالات اور اُن کی تشریحات تحریر کی ہین، اس طرح اس مقدمہ مین اس دور کے رامپور کی نہایت دلچسپ تمدنی تصویر آگئی ہے جس کا اب صرف تاریخون مین ذکر ملے گا،

"م"
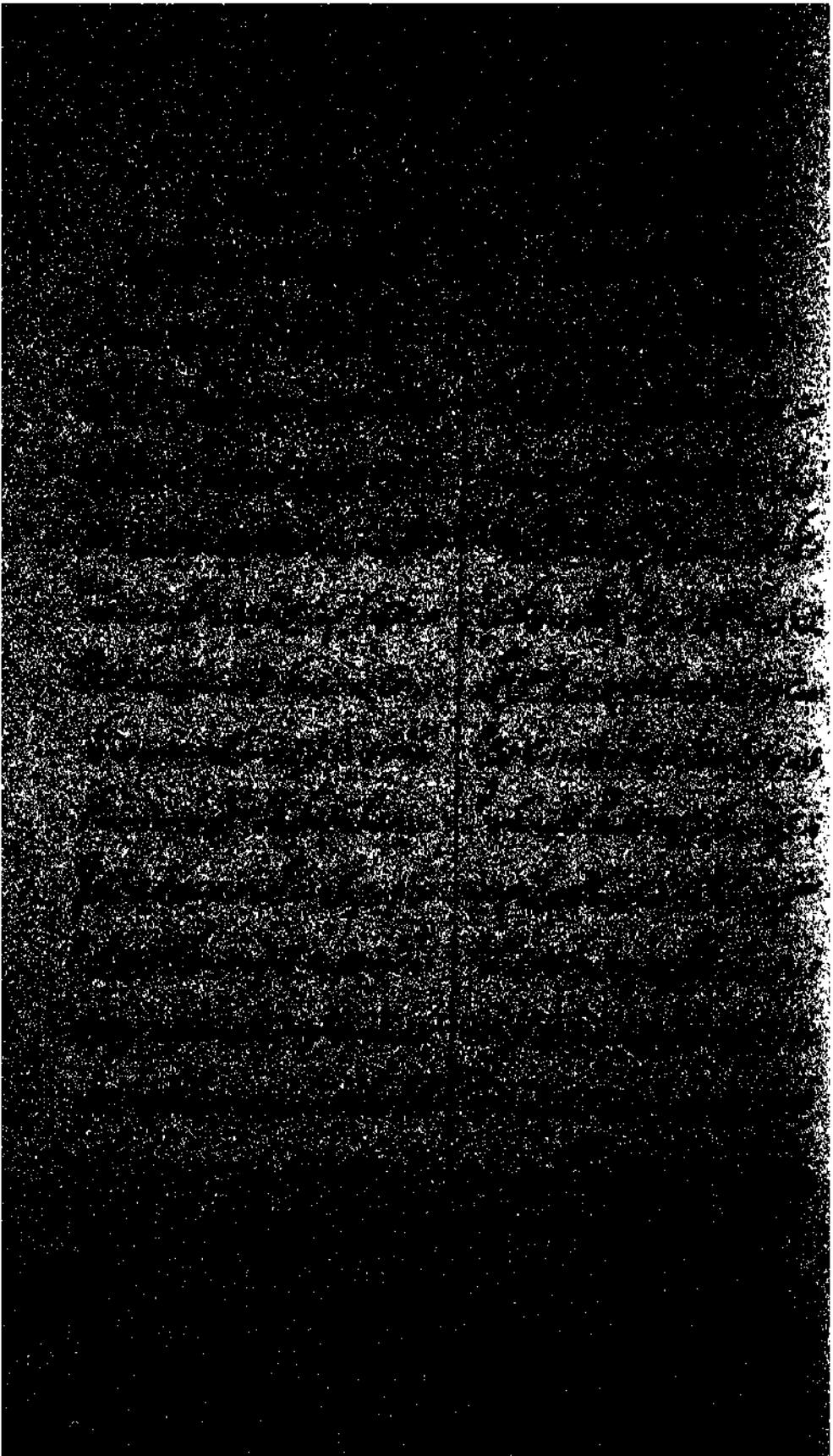
اقبال کامل

(مرتبہ مولانا عبدالسلام ندوی)

ڈاکٹر اقبال کے فلسفہ و شاعری پر اگرچہ بکثرت مضامین رسالے اور کتابیں لکھی گئیں لیکن اُن سے اُن کی بلند پایہ شخصیت واضح اور مکمل طور پر نمایاں نہ ہو سکی، یہ کتاب اس کمی کو پورا کرنے کے لئے لکھی گئی ہے، اس میں اُن کے مفصل سوانح حیات کے علاوہ ان کے فلسفیانہ اور شاعرانہ کارناموں کے اہم پہلوؤں کی تفصیل لکھی گئی ہے اور سوانح حیات کے بعد پہلے اُن کی اردو شاعری پھر فارسی پر اُن کے بہترین اشعار کے انتخاب کے ساتھ مفصل تبصرہ کیا گیا ہے اور ان کے کلام کی تمام ادبی خوبیاں دکھلائی گئی ہیں، پھر اُن کی شاعری کے تمام موضوعوں یعنی فلسفۂ خودی، فلسفۂ بیخودی، نظریۂ ملت، تعلیم، سیاست، صنف لطیف (یعنی عورت) فنون لطیفہ اور نظام اخلاق وغیرہ کی تشریح کی گئی ہے،

ضخامت :- ۴۰۰ صفحے،

قیمت :- ہے

منیجر

بزم تیموریہ

(مرتبہ سید صباح الدین عبدالرحمن ایم اے)

بابر ایک بے مثل اہل قلم تھا، ہمایوں نے شعر و شاعری کے علاوہ ہیئت و نجوم کی بھی انجمن آرائی کی، اکبر کا عہد علوم و فنون کی سرپرستی سے جگمگا اٹھا، جہانگیر نے ادب و آرٹ کو چمکایا، شاہجہان نے شعراء اور فضلاء کو سیم و زر میں تلوایا، عالمگیر نے معارف پروری اور انشا پردازی کے اعلیٰ نمونے پیش کئے، تیموری دور کے آخری بادشاہوں نے بھی اپنے اسلاف کی روایات کو قائم رکھنے کی کوشش کی، بہادر شاہ ظفر نے عروس سخن کے گیسو سنوارے، تیموری شہزادوں اور شہزادیوں نے بھی علم و ادب کی محفلیں سجائیں، دربار کے امراء، شعراء اور فضلاء نے شاہانہ سرپرستی میں گوناگوں کمالات دکھائے، ان سب کی تفصیل اس کتاب میں ملاحظہ فرمائیے،

ضخامت :- ۵۱۴ صفحے،

قیمت :- سعہ

منیجر